فکری، اصلاحی، دینی مجلہ
ماھنامہ
حوصلہ
جلد 2
شمارہ 9
MONTHLY HOSLA
فروری ۲۰۱۶ء - ربیع الثانی، جمادی الاول ۱۴۳۷ھ



جامعہ حفصہ و لال مسجد ایک بار پھر نشانے پر۔۔۔؟

ایک مخصوص لابی ملک کے امن کو تہہ و بالا کرنے کے ایجنڈے پر عمل پیرا ہے!





زلزلہ اسباب و خدشات
قرآن کیا کہتا ہے؟

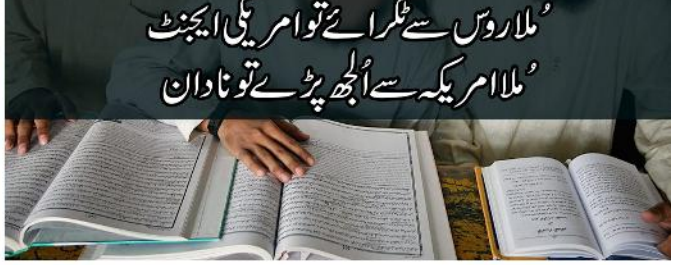


حسد معاشرے کا رستہ ناسور



مُلا سے خوف کیوں؟

مُلا روس سے ٹکرائے تو امریکی ایجنٹ
مُلا امریکہ سے اُلجھ پڑے تو نادان



امیر مومنین حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ کا بیان

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا، پہلے اللہ تعالی کی حمد وثناء کی، پھر فرمایا: ”امابعد! دنیا نے پشت پھیر لی اور جدائی کا اعلان کر دیا اور آخرت سامنے آرہی ہے اور بلندی سے جھانک رہی ہے۔۔۔آج گھوڑے دوڑانے کا یعنی عمل کا میدان ہے کل تو ایک دوسرے سے آگے نکلنا ہوگا۔۔غور سے سنو! تم آج کل دنیاوی اُمیدوں کے دنوں میں ہو لیکن ان کے پیچھے موت آرہی ہے اور جس نے امیدوں کے دنوں میں موت کے آنے سے پہلے نیک اعمال میں کوتاہی کی وہ ناکام و نامراد ہوگیا۔۔توجہ سے سنو! جیسے تم۔خوف کے وقت عمل کرتے ہو ایسے ہی دوسرے اوقات میں شوق اور رغبت سے عمل کرو۔۔۔غور سے سنو! میں نے ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی جو جنت جیسی ہو اور پھر بھی اس کا طالب سویا ہو اور نہ ہی ایسی کوئی چیز دیکھی ہے جو جہنم جیسی ہو اور پھر بھی اس سے بھاگنے والا سوتا رہے۔۔غور سے سنو۔! جو حق سے نفع نہیں اٹھاتا اسے باطل ضرور نقصان پہنچاتا ہے۔۔جسے ہدایات سیدھے راستے نہ چلاسکی، اسے گمراہی سیدھے۔راستے سے ہٹادے گی۔۔۔غور سے سنو! آپ لوگوں کو یہاں سے کوچ کرنے کا اور سفر آخرت کا حکم مل چکا ہے اور اس سفر کا توشہ بھی آپ لوگوں کو بتادیا گیا ہے۔۔۔اے لوگو! یہ دنیا تو ایسا سامان ہے جو سامنے موجود ہے اور اس میں اچھا برا ہر ایک کھا رہا ہے اور اللہ تعالی نے آخرت کا وعدہ فرما رکھا ہے وہ بلکل سچا ہے اور وہاں وہ بادشاہ فیصلہ کرے گا جو بڑی قدرت والا ہے۔۔غور سے سنو! شیطان تمھیں فقیر اور محتاج ہونے ڈراتا ہے اور تمھیں بے حیائی کے کاموں کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالی اپنے طرف سے مغفرت اور فضل کا وعدہ فرماتے ہیں، اللہ تعالی بہت وسعت والے اور خوب جاننے والے ہیں۔۔۔اے لوگو! اپنی موجودہ زندگی میں اچھے عمل کرلو انجام کار محفوظ ہو گا کیونکہ اللہ تعالی نے فرماں بردار سے جنت اور نافرمان سے جہنم کا وعدہ فرما رکھا ہے۔۔۔جہنم کی آگ میں جہنمیوں کا چیخنا کبھی ختم نہ ہوگا، اس کے قیدی کو کبھی چھڑایا نہیں جاسکے گا اور اس میں جس کی ہڈی ٹوٹے گی کبھی جڑ نہیں سکے گی، اور اس کی گرمی بہت سخت ہے، وہ بہت گہری ہے اور اس کا پانی خون پیپ ہے۔۔۔۔اور مجھے تم پر سب سے زیادہ خطرہ دو باتوں کا ہے، ایک خواہشات کے پیچھے چلنے کا، دوسرا امیدیں لمبی رکھنے کا۔۔۔۔۔خواہشات کے پیچھے چلنے سے انسان حق سے ہٹ جاتا ہے اور لمبی امیدوں کی وجہ سے آخرت بھول جاتا ہے

الدینوری و ابن عساکر

فکری، اصلاحی، دینی مجلہ
ماہنامہ
حوصلہ
جلد 2
شمارہ 9
MONTHLY HOSLA
فروری ۲۰۱۶ء - ربیع الثانی، جمادی الاول ۱۴۳۷ھ

صفحات مجلّہ

اداریہ	5
ملا سے خوف کیوں؟	7
زلزلہ اسباب وخدشات	9
ضرورت عمرؓ کی مگر آج بھی ہے!	11
خیر وشر کی جنگ	13
جبل استقامت	15
کفار کی اعانت اور استعانت میں فرق	18
والدین کے ساتھ حسن سلوک	20
پاکستان کا مطلب کیا۔۔!	24
کیوں کرتے ہیں ہم صحابہ کرامؓ سے محبت	26
کاروباری اخلاقیات اور شرعی تعلیمات	31
حسد معاشرے کا رستا ہوا ناسور	33
تدوین قرآن مجید	36
ملحدین کے سوالات کا رد	39

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

اِنَّ اللّٰہَ لَیَزَعُ بِالسُّلْطَانِ مَالَا یَزَعُ بِالْقُرْاٰنِ۔

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ (اسلامی) حکومت کی طاقت سے ان چیزوں کا سدِ باب کر دیتے ہیں جن کا سدِ باب قرآن سے نہیں کرتے۔

(تفسیر ابن کثیر، ج ۳ ص ۵۹، البدایہ والنہایہ، ج ۲ ص ۱۰، کنز العمال)

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

اَلْاِسْلَامُ وَالسُّلْطَانُ اَخَوَانِ تَوَامَانِ لَا یَصْلَحُ وَاحِدٌ مِّنْھُمَا اِلَّا بِصَاحِبِہٖ فَالْاِسْلَامُ اَسٌّ وَالسُّلْطَانُ حَارِسٌ وَمَالَا اَسَّ لَہٗ لَیَھْدِمُ وَمَالَا حَارِسَ لَہٗ ضَائِعٌ

اسلام اور حکومت وریاست دو جڑواں بھائی ہیں۔ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہوسکتا۔ پس اسلام کی مثال ایک عمارت (بنیاد) کی ہے اور حکومت گویا اس کی نگہبان ہے، جس عمارت کی بنیاد نہ ہو، وہ گر جاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو، وہ لوٹ لیا جاتا ہے۔

(کنز العمال)

monthlyhosla@gmail.com
azaansahar@gmail.com

اپنی مفید آراء، مثبت تجاویز اور پُرمغز تحریریں اس برقی پتہ پر ارسال کریں۔

www.azaan.pk/blog
facebook.com/ehtadal
twitter.com/molanaismatulah

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَہْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ وَ کَانَ اللّٰہُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا۔

اللہ کو پسند نہیں کسی بری بات کا ظاہر کرنا، مگر جس پر ظلم ہوا ہو

درسِ قرآن: ، اور اللہ ہے سننے والا اور جاننے والا، (سورۃ المائدہ۔ ۱۴۸)

خلاصہ تفسیر!

اللہ تعالیٰ بری بات زبان پر لانے کو (کسی کے لئے) پسند نہیں کرتے بجز مظلوم کے (کہ اپنے مظالم کی نسبت کچھ حکایت شکایت کرنے لگے تو وہ گناہ نہیں) اور اللہ تعالیٰ (مظلوم کی بات) خوب سنتے ہیں (اور ظالم کے ظلم کی حالت) خوب جانتے ہیں (اس میں اشارہ ہے کہ مظلوم کو بھی خلاف واقعہ کہنے کی اجازت نہیں اور ہر چند کہ ایسی شکایت جائز تو ہے لیکن) اگر نیک کام علانیہ کر دیا اس کو خفیہ کرو (جس میں معاف کرنا بھی آ گیا) یا (بالخصوص) کسی (کی) برائی کو معاف کر دو تو (زیادہ افضل ہے کیونکہ) اللہ تعالیٰ (بھی) بڑے معاف کرنے والے ہیں، (باوجودیکہ) پوری قدرت والے ہیں کہ (اپنے مجرموں سے ہر طرح انتقام لے سکتے ہیں، مگر پھر بھی اکثر معاف ہی کر دیتے ہیں، پس اگر تم ایسا کرو تو اول تو تخلق باخلاق الٰہیہ یعنی اللہ تعالیٰ کے اخلاق کا اتباع ہے، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کرنے کی امید ہوگی) جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ (جیسا ان کے عقیدہ اور قول سے جو آگے آتا ہے صاف طور پر لازم آتا ہے) اور (کفر کرتے ہیں) اس کے رسولوں کے ساتھ (یعنی بعض کے ساتھ تو صراحتاً کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کے منکر تھے اور کل کے ساتھ لزوماً جیسا آگے آتا ہے) اور یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے اور اس کے رسولوں کے درمیان میں (باعتبار ایمان لانے کے) فرق رکھیں اور (اپنے اس عقیدہ کو زبان سے بھی) کہتے ہیں کہ ہم (پیغمبروں میں سے) بعضوں پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعضوں کے منکر ہیں (اس قول اور اس عقیدہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی، کفر لازم آ گیا اور سب رسولوں کے ساتھ بھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ اور ہر رسول نے سب رسولوں کو رسول کہا ہے، جب بعض کا انکار ہوا تو اللہ تعالیٰ کی اور بقیہ رسولوں کی تکذیب ہوگئی، جو کہ ضد ہے تصدیق اور ایمان کی) اور یوں چاہتے ہیں کہ بین بین ایک راہ تجویز کریں (کہ نہ سب پر ایمان رہے جیسے مسلمان سب پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ سب کا انکار ہے جیسا کہ مشرکین کرتے تھے سو) ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں (کیونکہ کفر بالبعض بھی کفر ہے اور ایمان اور کفر کے درمیان کوئی واسطہ نہیں، جب ایمان بالجمیع نہ ہوا تو کفر ہی ہوا) اور کافروں کے لئے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے، (وہی ان کے لئے بھی ہوگی) اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے سب رسولوں پر بھی اور ان میں سے کسی میں (ایمان لانے کے اعتبار سے) فرق نہیں کرتے، ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ضرور ان کا ثواب دیں گے اور (چونکہ اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت والے ہیں (اس لئے ایمان لانے سے پہلے جتنے گناہ ہو چکے ہیں، سب بخش دیں گے اور چونکہ وہ) بڑے رحمت والے ہیں (اس لئے ایمان کی برکت سے ان کے حسنات کو مضاعف کر کے خوب ثواب دیں گے)

اداریہ

حرفِ حق



جامعہ حفصہ ولال مسجد ایک بار پھر نشانے پر !

ایک مخصوص لابی ملک کے امن کو تہہ و بالا کرنے کے ایجنڈے پر عمل پیرا ہے ۔!

سرزمین پاکستان ہر لحاظ سے دشمنان پاکستان کے شکنجے میں آ چکی ہے ۔جغرافیائی خطرات ہوں یا نظریاتی نقب زنی ۔معیشت کو لاحق خطرات ہوں یا معاشرت کو ملک کا امن تختہ مشق بنا ہوا ہو یا ملکی عوام ۔گہری نظر ڈالنے سے یہ سب معاملات کے پیچھے ایک خواص نفسیات اور اذھان کی کارستانیاں واضح نظر آتی ہیں اس میں یہود و ہنود کا گٹھ جوڑ نظر انداز کیا جا سکتا ۔۲۰۰۱ کے بعد پاکستان کی سرزمین پر الیکٹرانک میڈیا کا جادو سر چڑھ کر بولنے لگا ۔دیکھتے ہی دیکھتے بیسیوں ٹی وی چینلز کی بھرمار ہوگئی ۔دنیا بھر کی دس بڑی الیکٹرانک کمپنیوں میں سے ۹ براہ راست یہود کے ہاتھ میں ہیں ۔اور ایک کو عیسائی چلا رہے ہیں ۔انہی کمپنیوں کے فیض یافتہ الیکٹرک میڈیا کے کھلاڑیوں نے فروری ۲۰۰۷ میں لال مسجد کو اپنے گہرے اور وسیع مفاد کے لئے نشانے پر رکھ لیا ۔ایک مسجد اور ایک مدرسہ کو ملک پاکستان کے لئے سنگین ترین خطرات کی آماجگاہ قرار دیا گیا ۔اس موضوع پر ایسی سخن آزمائی ہوئی کہ واقعتا ایسی فضا بنا دی گئی کہ ملک پاکستان کو سب سے بڑا خطرہ لال مسجد اور جامعہ حفصہ سے ہے ۔یوں میڈیا کی اس بنی بنائی ہوئی گیم پر ایک ڈکٹیٹر اور جابر نے لال مسجد پر چڑھائی کر دی ۔سینکڑوں بچوں اور بچیوں کی شہادت پر میڈیا نے پھر ایسی دھما چوکڑی مچائی کہ ردعمل کی ایک ایسی لہر نے سر اٹھایا جو آج تک قابو نہیں دے رہی ۔آرمی پبلک سکول اور چارسدہ یونیورسٹی تک معصوم بچوں کی لاشیں گر گئی ۔یقینا جہاں دیگر عوامل سے انکار ممکن نہیں وہاں سانحہ لال مسجد کے بعد خدائی عذاب کی شکلیں ہم پر مسلط ہوئی ۔انہیں میں سے ایک خون ناحق کے لینے کی فراوانی کا عذاب بھی ہم پر مسلط ہو گیا ۔اب جب کہ ملک میں قتل و غارت گری کے واقعات تھمتے محسوس ہو رہے ہیں ایک بار پھر لال مسجد اور جامعہ حفصہ کو تختہ مشق بنانے کی فضا سازگار کی جا رہی ہے تا کہ بجھتی چنگاری پھر سے شعلہ جوالہ بن جائے اور پھر سے کشتوں کے پشتے لگ جائیں ۔

لال مسجد اور جامعہ حفصہ کی انتظامیہ کی جتنی غلطیاں بھی آپ گنوا سکتے ہیں گنوا لیجیے مگر جو کچھ ردعمل میں کیا گیا کیا یہ سب ایک مہذب ریاست کی شایان شان ہو سکتا ہے؟ صرف اور صرف ایک ڈکٹیٹر اور فرد واحد کے فیصلے تھے جن پر عمل درآمد نے قوم کو لاشوں کی سوغات دی ۔ریاست کسی گروہ کی طرح جذباتی نہیں ہوتی اور نہ ہی ریاست اشتعال میں آتی ہے ۔جذبہ انتقام بھی گروہوں کا وصف ہوتا ہے ریاست کا نہیں ۔ریاست جو قدم بھی اٹھاتی ہے اس سے پہلے نفع و نقصان کے ترازو کو ضرور دیکھ لیتی ہے ۔ریاست کا ریاست کے اندر طاقت کا استعمال بدترین کمزوری ہوتا ہے ۔اس کمزوری کو وصف قرار دینا یا سمجھنا احمقانہ پن کے علاوہ کچھ بھی نہیں ۔لال مسجد کے قضیے کے کئی اور حل بھی ہو سکتے تھے ۔مگر طاقت کے آخری آپشن کی طرف ریاست کا بھاگ کھڑا ہونا خود سے ریاست کی غیر سنجیدگی یا حاکمانہ ریاست کی غیروں کی اطاعت شعاری کا پتہ دیتی ہے ۔اب جب کہ پھر ایک مرتبہ مولانا عبدالعزیز حفظہ اللہ اور جامعہ حفصہ کو نشانے پر رکھ لیا گیا ہے ۔سول سوسائٹی جو کہ خالصتا شیعہ سوسائٹی کے افراد پر مشتمل ہے اور ایرانی مفادات کو لیکر چل رہی ہے مخصوص مفادات کے حصول کے لئے مخصوص واقعات کی آڑ میں مولانا اور مدرسہ حفصہ کے خلاف پھر سے ویسی فضا بنانے کا راستہ ہموار کرنے پر تلے ہوئے ہیں ۔مولانا عبدالعزیز صاحب کے خلاف دو تین ہلکے درجے کے مقدمات درج ہیں ۔جن پر آسمان سر پر اٹھایا جا رہا ہے وہ مقدمات قابل ضمانت بھی ہیں پاکستان میں کتنے ایسے لوگ موجود ہیں جن پر قتل تک کے مقدمات

درج ہیں مگر وہ اسمبلیوں کی زینت بنے بیٹھے ہیں۔خود مسلم لیگ کے وزرا ایک دوسرے پر چودہ چودہ قتل کے الزامات لگا رہے ہیں ایسے میں صرف مولانا پر شکنجہ کسنے میں خیر نظر نہیں آتی۔مولانا عبدالعزیز صاحب کے مطالبے کو جو کہ عوام الناس کی اکثریت کی خواہش کا آئینہ دار ہے غلط رنگ دے کر اپنے مقصد کے نتائج حاصل کرنے والی لابی کا سب سے پہلا ہدف ہی ملک پاکستان کے امن کو کمزور کرنا ہے۔کون نہیں جانتا یہ سب لوگ ایران کنیڈا اور امریکہ کے خفیہ اداروں کے رابطے میں ہیں۔حکومت چند درجن مذہب بے زار لبرلز اور سیکولز کے احتجاج اور دباو کو اسقدر وزن دیتی ہے جس سے حکومت کی دال میں کچھ کالا کالا نہیں ساری دال ہی کالی نظر آنے لگتی ہے۔پچھلے کچھ عرصہ میں جس طرح سے دین پسند طبقات کو کنارے لگانے کی روش نے زور پکڑا ہے امریکہ اور اس کی لے پالک این جی اوز اور اس کے حواریوں نے ایک ایسا ماحول پیدا کر دیا ہے ایسے محسوس ہوتا ہے ملک کے تمام مسائل علما مدارس اور دین پسند طبقات کی وجہ سے ہیں۔اگر یہ دین پسند ختم ہو جائیں تو ملک شاید دنیا کی تیسری بڑی طاقت بن جائے۔ہم ان سطور میں مقتدر طبقہ سے گزارش کرتے ہیں کہ قومیں غلطیوں سے سبق سیکھتی ہیں غلطیاں دوہرانا قطعی عقل مندی نہیں ہوتی۔جامعہ حفصہ اور لال مسجد کی انتظامیہ کا احساس محرومی ختم کرنا بہت ضروری ہے۔ریاست انہیں جس طرح سوتیلی ماں کی نظر سے دیکھ رہی ہے اس انداز کو بھی بدلنے کی ضرورت ہے۔وزیر داخلہ چوہدری نثار نے اب تک ذمہ دارانہ رویہ اختیار کیا ہوا ہے اور اس معاملے کو کافی سنجیدگی سے ڈیل کر رہے ہیں۔حکومت کے کچھ حلقے چوہدری نثار کو کسی بڑی افتاد کا شکار کرنے کے لئے لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے مسئلہ میں الجھانا چاہتے ہیں۔اس سلسلہ میں خواجہ آصف کا نام لیا جا رہا ہے کہ وہ پیش پیش ہیں۔جو اس ساری صورتحال کو گھمبیر بنانے کے لئے اہم اور فعال کردار ادا کر رہے ہیں۔حکومت وقت ان سنجیدہ مسائل پر توجہ دے جو ملک کے لئے چیلنج بنے ہوئے ہیں۔مہنگائی بے روزگاری کرپشن لوٹ کھسوٹ قتل وغارت گری تعلیمی انحطات لوڈ شیڈنگ جیسے مسائل جو حکومت کی بدنامی اور بیڈ گورننس کا باعث ہیں۔حکومت جامعہ حفصہ اور لال مسجد کے معاملے میں سابقہ تجربہ دہرانے کی کوشش نہ کرے۔نہ ہی ملک مزید ایسے حادثات کو برداشت کر سکتا ہے۔

سانحہ چارسدہ

آرمی پبلک سکول کا حادثہ انسانی تاریخ کے بدترین واقعات میں سے ایک تھا۔اس واقعے کے اثرات نے ملک و مذہب کو پوری طرح لپیٹ میں لیا۔مذہب پسند طبقات کو دیوار سے لگا دیا گیا۔مساجد و مدارس دین دشمن طاقتوں کا نشانہ بن گئیں۔مگر اس واقعہ کے ذمہ داروں نے اس کاروائی کی شرعی توجیہ اور وضاحت کر کے غمگین اور افسردہ اہل ایمان کے دکھوں میں مزید اضافہ کیا،سینکڑوں خاندان کا غم اور دکھ ابھی تک ہلکا نہیں ہو سکا۔بلا شک وشبہ یہ کاروائی شریعت اسلامی اور جہاد فی سبیل اللہ کے بنیادی اصولوں سے انحراف کی واضح دلیل تھی۔ابھی قوم اور اہل مذہب آرمی پبلک سکول کی غیر شرعی کاروائی کے نقصانات جھیل ہی رہے تھے کہ چارسدہ کی باچا خان یونیورسٹی کو نشانے پر لے لیا گیا۔یہ کاروائی بھی کلی طور پر غیر شرعی اور غیر اخلاقی تھی جس میں مسلمان گھرانے اجاڑ کر رکھ دیئے گئے۔ان کاروائیوں کے پیچھے اسلامی شریعت کو بظاہر ڈھال کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔حقیقت میں قبائل کے کچھ لوگ جذبہ میں انتقام میں جائز اور ناجائز کے سوال سے آگے نکل کر صرف انتقام کی راہ پر چل نکلے ہیں مگر یہ انتقام بھی قوم سے لیا جا رہا ہے جو کم از کم ورآن ٹیرر کے خلاف ہی آواز ہی بلند کرتی رہی ہے۔پاکستان کے گلی کوچے گواہ ہیں کہ جب مشرف امریکہ سے مل کر افغان جنگ میں شریک ہو رہا تھا تو اربوں روپے عوام الناس نے تحریک طالبان افغان کے سپرد کئے۔ملا عبدالسلام ضعیف اس بات کے گواہ ہیں کہ مسلمان بیٹیوں اور بہنوں نے کئی من سونا افغان سفارت خانے کے حوالے کیا عملا پاکستانی قوم اس جنگ کی مخالف صف کا حصہ رہی ہے کہیں کوتاہی اور غلطی یا نااہلی تھی تو وہ صرف لیڈر تھے پھر ایسے حوادث قوم کو نہایت غم اور رنجیدگی کی دلدل میں دھکیل رہے ہیں جس کے خمیر میں اسلام پسندی رچی بسی ہوئی ہے ایسے میں دین دشمن لبرلز اور سیکولز کا کام آسان ہو رہا ہے جو ہر دم اس تاک میں ہوتے ہیں کہ کب موقع ملے اور وہ دینی فکری نظریاتی اساس پر حملہ آور ہو۔اللہ پاک اس ملک وقوم کی حفاظت فرمائے اور یہاں اسلام کا بول بالا فرمائے۔آمین

ملاّ سے خوف کیوں۔۔؟

حافظ کاشف مجاہد

یہ ملا ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔۔۔ یہ ملا دہشت گرد ہیں۔۔۔ یہ ملاّ مذہب کی بات کریں سیاست سے ان کیا لینا دینا۔۔۔ یہ ملاّ درباری ہیں۔۔ یہ ملاّ سیاست میں کیوں نہیں آتے ، جہاد کی رٹ لگائے رکھتے ہیں۔ یہ ملاّ کسی خانقاہ میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرے دنیا سے ان کا کیا لینا دینا۔لو جی خانقاہ میں بیٹھ گئے۔اللہ۔اللہ۔اللہ ھو، دنیا ترقی کر کے کہاں پہنچ گئی اسے دنیا کی خبر ہی نہیں یہ کیسا انسان ہے۔ملاّ مسجد جائے تو طعنہ، ملاّ کی دوڑ مسجد تک،ملاّ سیاست میں تو درباری ،ملامظلوم مسلمانوں کی دادرسی کرے تو دہشت گرد،ملاّ خانقاہ میں تو صوفی ،ملاّ مدرسے میں تو ترقی کی راہ میں رکاوٹ ،ملاّ سائنس وایجاد کی بات کرے تو دنیا کے لئے خطرہ، ملاّ مسجد ومدرسہ سنبھالیں تو آپ سائنسی وعصری علوم کیوں نہیں سیکھتے، ملاّ رشیا سے ٹکرائے تو امریکی ایجنٹ ،ملاّ افغانستان جیسے ملک کو امن کا گہوارہ بنادے تب بھی قبول نہیں، ملاّ امریکہ سے اُلجھ پڑے تو نادان، کہاں امریکہ کی ٹیکنالوجی اور کہاں یہ چٹائی پر بیٹھنے والا ،ملاّ پاکستان کی بنیاد اسلامی نظام کی بات کرے تو ملک دشمن اور ملک کے ازلی دشمن بھارت سے مظلوم مسلمانوں کا بدلہ لے تو امن کی راہ میں رکاوٹ غرض ،ملاّ جو بھی کرے اور جیسا بھی کرے اسے ہر حال میں تنقید کا نشانہ بننا ہے اسکی کیا وجہ ہے۔آیئے ذرا اس پر غور کرتے ہیں ایک شریف انسان کو اس الحادی زمانے میں سب سے زیادہ جن باتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان میں یہ کہ یہ لوگ (ملاّ) قدیم رسومات کو ترک نہیں کرتے جدیدیت کا دور ہے سائنس وایجاد کے مخالف ہیں امن وترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اگرچہ ان اعتراضات میں ذرا برابر حقیقت نہیں مگر سادہ لوح عوام کو گمراہ کرنے کے لئے یہ سلوپوائزن کی حیثیت رکھتے ہیں جو آہستہ آہستہ کسی انسان کے خون میں سرایت کر کے ایک دن اسے ہمیشہ کی میٹھی نیند سلا دیتا ہے ایسے سوالات کو اس لئے جنم دیا جاتا ہے کہ سادہ لوح عوام کے ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا کیے جائیں تا کہ لوگ ملاّ (علما انبیا کے وارث ہیں) سے دور کیا جائے۔اس لئے عرض ہے کہ اگر کوئی جدیدیت کا علمبردار آپ کے اذھان وقلوب میں ایسا زہر منتقل کرنے کی کوشش کرے تو بلا جھجک نان سٹاپ اسے جواب دیتے جائیں کہ تمہیں مبارک ہو ایسی جدیدیت کہ جس کا ہدف اللہ کے وجود سے انکار سزا و جزا کے دن سے منکر کرتا ہے جو فطرت سے بے زار ہو،تمہیں مبارک ہو ایسی جدیدیت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کو نعوذ باللہ فرسود گردانتی ہو، تمہیں مبارک ہو ایسی جدیدیت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی جگہ فلم ستاروں اور انگریز فلسفیوں کو اپنا آئیڈئل مانتی ہو،تمہیں مبارک ہو ایسی جدیدیت جو اپنے اسلاف کی تاریخ کو بھول کر غیروں کو اپنا مقتدا اور پیشوا مان لے،تمہیں مبارک ہو ایسی جدیدیت جو اپنے والدین کو اولڈ ہاوسز میں تڑپتا چھوڑ دے،تمہیں مبارک ہو ایسی جدیدیت جو والدین کو اولاد پر حق سے محروم کر دیتی ہے،تمہیں مبارک ہو ایسی جدیدیت جو مرد وزن کو شہوت پرستی میں جانوروں سے ایک قدم آگے بڑھنے کی دعوت دیتی ہے،تمہیں مبارک ہو ایسی جدیدیت جس میں بدن کو ڈھانپنا معیوب عمل ٹھرتا ہے۔میں ملاّ مجھے میری قدامت پسندی اچھی تمہیں تمہاری جدیدیت مبارک۔میں اپنے پرانے کعبے کی طرف ہی منہ کر کے نماز پڑھوں گا تمہیں تمہارا نیا قبلہ (واشنگٹن، ماسکو) مبارک۔مجھے انبیا کی تعلیمات اچھی تمہیں نئے فلسفی مبارک ہوں،

ہو مبارک تجھ کو ایسی پرفتن جدیدیت
کانپ اٹھی دیکھ کر جس کو روح انسانیت

ملاّ کو طعنہ ہے کہ یہ سائنس کا منکر ہے نئی ایجادات اور تحقیق کا مخالف ہے جب کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے، ملاّ جس رب کو اپنا خالق مانتا ہے اس رب نے ہی انسان کو سائنس کی راہ دکھائی۔ترجمہ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا

اورآسمان کی جانب سے پانی اتارا پھراس پانی کے ذریعہ سے تمہارے رزق کے طور پر پھل پیدا کئے، اوراس نے تمہارے لئے کشتیوں کومسخر کر دیا تا کہ اس کے حکم سے سمندر میں چلتی رہیں اور اس نے تمہارے لئے دریاؤں کو (بھی) مسخر کر دیا (سورۃ إبراھیم)، یہ فرما کر رب العالمین نے انسان کے لئے سائنس کا دروازہ کھول دیا ہاں یہ سچ ہے کہ سائنس دانوں کو عیسائی راہبوں نے مذہب کے نام پر ہی موت کے گھاٹ اتارا تھا مگر اس میں اسلام اہل اسلام اور ملاّ کا کیا قصور اگر یہ طعنہ دینا بھی ہے تو اہل کلیسا کو دیجیے ملا تو کبھی سائنس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنے نئی ایجاد وتحقیق کی دنیا میں اہل اسلام کا ایک مقام ہے جس کی علما نے کھل کر حمایت کی یہاں ایک بات ضرور ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ سائنس کے نام پر خالق کائنات کی تخلیق کا انکار کر دینا سائنس نہیں بلکہ جاہلیت ہے سائنس کے نام پر فطرت کے اصولوں سے ٹکرانا حماقت ہے سائنس کے نام پر ایسی چیزوں میں مداخلت کرنا سراسر ظلم ہے ۔جن کو سوائے رب کے کوئی تخلیق نہیں کر سکتا جس کا خمیازہ ساری انسانیت کو بھگتنا پڑے گا اس کا انجام تباہی کے سوا کچھ نہیں ہے آپ خود سوچیے ایسے جاہل انسانیت کے لئے کتنا بڑا خطرہ ہیں جو انسان کے اندر درندوں کے جراثیم منتقل کرنے پر تلے ہوں اور دن رات اس میں سرگرداں ہوں یہ حقیقت ہے کہ یہ جاہل انسان تو دور کی بات ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے مکھی تو کیا اس کا ایک پر بھی نہیں بنا سکتے جب یہ شیطان کے پجاری اللہ کے کھلے چیلنج کا جواب نہیں دے سکتے تو پھر اس کی تخلیق میں بگاڑ پیدا کرنے کی مذموم کوششوں میں مصروف ہو جاتے ہیں ایسے میں وہ سائنس دان جن پر حقیقت کھل چکی ہے کہ یہ کائنات کسی خالق کی تخلیق ہے جو تخلیق انسانوں کے بس سے باہر ہے وہ آگے بڑھیں اور اپنا کردار ادا کریں وگرنہ ایسے نام نہاد سائنس دان جو حقیقت میں پرلے درجے کے جاہل ہیں انسانیت کے لئے بہت بڑا خطرہ ہیں جس کی لپیٹ میں صرف ملاّ اور اہل اسلام ہی نہیں بلکہ زمین پر موجود ہر ذی روح آئے گی پھر نہ کہنا کہ خبر نہ ہوئی جب کہ ملاّ نے تمہیں تمہارے رب کی خبر سے باخبر کر دیا تھا اور بے شک خشکی اور تری میں جو فساد ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے نجانے ملاّ دنیا کی ترقی میں کیسے رکاوٹ ہے نہ کسی ملاّ نے تمہیں بلب بنانے سے روکا نہ کلکولیٹر سے نہ کسی کو گھڑی بنانے سے روکا نہ گاڑی سے نہ بحری جہاز بنانے سے روکا نہ بری سے نہ چاند پر جانے سے نہ مریخ پر جانے سے نہ سمندر کی تہوں کو کھنگالنے سے نہ زمین میں چھپے خزانے نکالنے سے نہ یہ ملاّ روڈ، ٹوٹی پائپ کا منکر نہ روٹی کپڑا مکان کا منکر نہ یہ پاکستان بنتے وقت پیچھے رہ نہ پاکستان کو ایٹمی طاقت بنتے وقت، مشرقی پاکستان ٹوٹا تو اس وقت بھی اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور جئے سندھ اور بلوچستان کی علیحدگی کے نعرے سے بھی غمگین ہے نہ ملاّ نے کبھی علیحدگی کا نعرہ لگایا تو پھر کیا وجہ ہے یہ کس کی سازش ہے کہ اہل اسلام کو ملاّ (علما) سے اسقدر دور کیا جا رہا ہے اگر کسی نے علامہ اقبالؒ کے اس شعر سے غلط مراد لے لی ہو کہ ملا کو کوہ دامن سے نکال دو تو معذرت جناب علامہ تو اصل میں افغانیوں کی غیرت دین کو ماڈل بنا کر باقی امت مسلمہ کو اس کا راز بتا رہے ہیں کہ تم بھی غیرت دین حاصل کرنے کے لئے ملاّ (علما) کا دامن تھام لو معذرت جناب اس سے ہرگز یہ مراد نہیں ہے کہ ملا کو پاکستان افغانستان عرب وعجم سے نکال دو بلکہ اس کا مطلب صاف ہے کہ مسلمانوں میں جو غیرت ایمانی اور معاشرتی اچھائیں باقی ہیں وہ ملاّ (علما) کی وجہ سے باقی ہیں تھوڑی دیر کے لئے آنکھیں بند کیجئے اور ملاّ (علما) کا کردار معاشرے سے منفی (نکال) کر لیجے اور پھر انصاف سے بتائیے کہ باقی پیچھے کیا بچتا ہے اللہ کا تصور ختم روز سزا وجزا کا تصور ختم انبیا کا تصور ختم اخلاقی اقدار ختم عزت کوئی چیز نہیں حمیت کوئی چیز نہیں انسان آزاد ہے جو چاہے کرے تو پھر بتائیے کہ انسان کیسا ہوگا میں خود ہی بتا دیتا کہ اس معاشرے کا منظر کیا ہے کہ جس سے ملاّ کا کردار ختم کر دیا جائے مگر حیا اجازت نہیں دیتی بہرحال آپ خود سمجھ دار ہیں آپ اپنے اردگرد نظر دوڑا لیجیے آپ کو زمین پر چلتے پھرتے مختلف ذی روح نظر آئیں گے جو انسان نہیں ہوتے ان کو قیاس کر لیجیے ان کی زندگی اور اس زندگی میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ سب کچھ جو ایک انسان کو باقی مخلوق خدا سے ممتاز کرتا ہے وہ ہمیں مذہب ہی سے ملتا ہے اور مذہب کی تعلیم دینے والے کو آج کل زمانے والے ملاّ کہتے ہیں جب ملاّ ہی نہ رہا تو پھر تم ممتاز کیسے ہوگے۔ حیوانیت معذرت لفظ تو سخت ہے مگر سچ یہی ہے کیونکہ جتنی بھی اخلاقیات انسانوں میں پائی جاتی ہیں یہ مذہب ہی کی ودیت کردہ ہیں اور مذہب کی تعلیمات اور انبیاء نے انسانوں کو سکھائی اور انبیاء کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد یہ فریضہ علماء کی ذمہ داری ہے جسے آج کی دنیا ملاّ کے نام سے جانتی ہے۔ العلما ورثتہ الانبیا۔۔۔



زلزلہ اسباب وخدشات قرآن کیا کہتا ہے؟

زلزلے کی وجہ انسانوں کی بداعمالیاں اور گناہ ہیں۔!

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

ترجمہ: خشکی، بیابانوں اور سمندروں میں فساد پھیل گیا لوگوں کے اعمال کی وجہ سے تا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے بعض اعمال کا بدلہ دیں تا کہ یہ لوگ اللہ کی طرف رجوع کرلیں ۔(سورۃ روم) قرآن کریم ہمیں ایک اصول بتاتا ہے کہ مصیبتوں اور تکالیف کی وجہ انسان کے اعمال اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشاء کے خلاف ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انسان کو طرح طرح کی مصیبتوں اور تکالیف میں مبتلا کردیتے ہیں ۔ پھر مالی پریشانیاں بھی آتی ہیں۔جسمان تکالیف بھی آتی ہیں اور دیگر مصیبتوں کا دروازہ بھی کھل جاتا ہے ۔ یہاں تک کہ انسان کا امن وسکون برباد ہوجاتا ہے۔انسان کے بداعمالیوں کے نتیجے میں کبھی تو اللہ تعالیٰ کسی ظالم کو ہی ان پر مسلط کرلیتا ہے جو ان کا سکون چھین لیتا ہے اور کبھی خداوند تعالیٰ اپنی قدرت کی نشانیاں دکھا کر طوفانوں ،دریاؤں،طغیانیوں اور زلزلوں کے ذریعے سے انسان کو اس کے کیے کا بدلہ دیتے ہیں۔ چند دن پہلے پاکستان کے مختلف علاقوں میں بھی زلزلے نے تباہی مچادی۔کئی گھر کھنڈر بن گئے۔بچوں کے سروں سے ان کا سہارا اٹھ گیا۔ہمارے لیے اس میں متنبہ ہونے کا سامان اور عبرت کا مقام ہے ۔کاش! ہم سمجھ جائیں ۔فاعتبروا یااولی الابصار اسباب ومحرکات: زلزلے کی حقیقت اور اس کے اسباب کے بارے میں مختلف نظریات ہیں۔سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ ایک عرصے کے بعد زمین کی پلیٹیں تبدیل ہوتی ہیں ۔جب زمین کی پلیٹیں تبدیل ہوتی ہیں تو اس سے پیدا ہونے والی کشمکش کو زلزلے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔چونکہ یہ جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔لہذا سائنسدانوں کی بات کو ہم حرف آخر سمجھ کر اسے مان لیتے ہیں لیکن یہ غور نہیں کرتے کہ اگر ان کا نظریہ مان بھی لیا جائے تب بھی زمین کی پلیٹیں تبدیل کرنے والا کوئی ہوگا ضرور ۔ظاہر ہے اتنا بڑا کام خود بخود تو نہیں ہوسکتا اور ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ،نہایت رحم کرنے والا ہے لہذا یہ بات اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم کے خلاف ہے کہ وہ بغیر کسی وجہ کے اپنے بندوں کو عذاب دے۔اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ویسا ہی معاملہ کرتے ہیں جیسے بندوں کے اعمال ہوتے ہیں ۔یعنی زلزلہ کی اصل وجہ اور حقیقت خود انسان ہے۔

خدشات کا ازالہ: انسان زلزلے سے بچاؤ کی تدابیر اختیار کرے اچھی بات ہے۔حکومتیں سیلاب اور زلزلے کے نقصانات کو کم سے کم کرنے کی سر توڑ کوششیں کریں۔، عوام ایسے اقدامات کو کو سر آنکھوں پر رکھیں گے لیکن خدارا !حقائق سے آنکھیں نہ چرائی جائیں۔امریکہ اور جاپان کی مثالیں دی جارہی ہیں لیکن یہ نہیں بتایا جارہا کہ عمارتیں جتنی مضبوط بنالی جائیں قدرتی آفات ان عمارتوں کو پھر بھی تباہ کرسکتی ہیں۔ سونامی کو جاپان نہیں روک پایا ۔تباہ کن ہواؤں کو امریکہ قابو نہ کرپایا۔عمارتیں جتنی زلزلہ پروف بنالی جائیں زلزلے کے خوف اور اس کے نقصانات سے انسان خود کو بچا نہیں پائے گا۔اسلام آباد، کراچی اور دیگر کئی علاقوں کے ارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ فالٹ لائنز کے بالکل اوپر ہیں لیکن یہاں زلزلے بہت معمولی سطح کے آئے ہیں ۔آخر کیوں ؟گنجان علاقے اور شہری آبادی عموماً زلزلے سے محفوظ رہتے ہیں ۔اس میں بھی کوئی خدائی مصلحت ہوسکتی ہے۔شہروں میں موجود نیک لوگ یا پھر وہاں موجود انسانی جانوں کی کثرت ! قاعدہ

ہے کہ چھوٹوں کو اپنے بڑوں کے لیے قربانی دینا پڑتی ہے ۔حدیث کی روشنی: حدیث کی رو سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ زلزلے کی وجہ انسانوں کی بداعمالیاں اور گناہ ہیں ۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب مال غنیمت دولت سمیٹنے ک اذریعہ بن جائے ، امانت کو غنیمت سمجھا جائے اور زکوٰۃ کو بوجھ سمجھا جائے دین کا علم دنیوی مقصد کے تحت حاصل کیا جائے ، آدمی اپنی بیوی کی فرمانبرداری کرے اور ماں کی نافرمانی کرے۔دوست سے قربت بڑھائی جائے اور باپ سے دوری اختیار کی جائے ۔مساجد میں شور وغل بلند ہونے لگے اور معاشرے کا درسار بنے،کسی کے شر سے بچنے کے لیے اس کی عزت کی جائے ۔اداکارائیں اور موسیقی کے آلات عام ہوجائیں ۔شراب سر عام پی جانے لگے۔اس امت کے بعد والے لوگ پہلے والوں کو برا بھلا کہیں تو پھر انتظار کرو تند وتیز ہواؤں کا، زمین میں زلزلوں کا، زمین میں دھنسے جانے کا، بندر وخنزیر بنائے جانے کا اور آسمان سے پتھر برسنے کا اور یکے بعد دیگرے آنے والی ایسی نشانیوں کا جو تسبیح کی لڑی ٹوٹنے کے بعد تسبیح کے دانوں کے گرنے کی طرح پے در پے آئیں گی ۔"ایک اور حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنھما فرماتی ہیں :جب شادی شدہ عورتیں بہک جائیں، جب لوگ زنا کو حلال سمجھنے لگیں ،شراب پیے اور گانوں کی محفلیں سجنے لگیں تو اللہ تعالیٰ کو آسمان میں غیرت آتی ہے وہ زمین کو حکم دیتا ہے زمین میں زلزلے آنے لگتے ہیں ۔"ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ" جب لوگ پانچ قسم کی برائیاں کرنے لگتے ہیں تو ان کو پانچ طرح کے مصائب میں مبتلا کیا جاتا ہے۔جب سود عام ہوگا تو زلزلے اور زمین میں دھنسنا عام ہوجائے گا ۔ جب اہل اقتدار ظلم کرنے لگیں گے تو بارشیں بند ہوجائیں گی ، جب زنا عام ہوجائے گا تو لوگ جلدی مریں گے ۔ جب لوگ زکوٰۃ دینے سے رک جائیں تو مویشی مرنے لگیں گے اور جب غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت نہ ہوگی تو وہ مسلمانوں پر غالب آجائیں گے ۔" لائحہ عمل : جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زلزلے کی اصل وجہ لوگوں کی بداعمالیاں ہیں۔لہذا ایسے وقت میں بلڈنگ کوڈز تبدیل کرنے کے ساتھ ساتھ نماز،توبہ واستغفار اور صدقہ خیرات کی اشد ضرورت ہے ۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب لوگ اجتماعی طور پر گناہ کرنے لگتے ہیں تو اللہ کے حکم سے زمین میں زلزلے آنے لگتے ہیں پھر اگر یہ لوگ توبہ اور استغفار کرلیں تو زمین تھم جاتی ہے وگرنہ اللہ تعالیٰ ان کے گھروں کو منہدم کردیتا ہے ۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں زلزلہ آیا تو جمعہ پر تشریف لائے اور لوگوں کو صدقہ خٰرات اور توبہ استغفار کرنے کا حکم دیا ۔ایک اور روایت میں آتا ہے کہ جب زلزلہ آیا س تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فوراً نماز کی طرف متوجہ ہوئے ۔ایک اور روایت میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں مدینہ میں زلزلہ آیا تو آپ ﷺ نے صحابہ کو توبہ واستغفار کرنے کا حکم دیا۔

ایک صحافی کا تجزیہ :انصار عباسی صاحب نے تجزیہ پیش کیا ہے کہ "کوئی شک نہیں کہ موسم تبدیل ہورہے ہیں،گلیشیر زپگھل رہے رہے ہیں لیکن تھوڑا اس بات پر بھی غور کرلیں کہ کس کے حکم سے یہ سب کچھ ہوتا ہے ۔کون فالٹ لائنز کو فعال اور غیر فعال کرتا ہے ۔ کون بادلوں کو رحمت اور جب چاہے عذاب میں بدل دیتا ہے ۔اگر ساری اہمیت ہی سائنس دانوں کو دیتے ہیں تو سب کو بلا کر کہہ دو کہ فالٹ لاینز کو ٹھیک کردیں اور ٹیکونک پلیٹس کو بھی ٹکرانے سے بچانے کی تدبیر کردیں ۔اس سے کیا زلزلہ رک جائے گا؟ اللہ کا تو وعدہ ہے کہ جب قیامت آئے گی تو ایسا زلزلہ آئے گا کہ سب کچھ تباہ وبرباد ہوجائے گا ۔مضبوط بلڈنگز بنانے کے لیے میڈیا حکومت اور لوگوں ہر ضرور زور دے لیکن آخرت کی تیاری کا بھی سبق دو۔"ایک شبہ کا جواب:بعض لوگ یہ سوال کرتے نظر آتے ہیں کہ قدرتی آفات سے معصوم اور بے گناہ لوگ بھی کثرت سے مرتے ہیں ۔ان کا کیا قصور ہے۔ ان پر عذاب کیوں؟ اس کا جواب مستدرک حاکم کی ایک روایت میں آتا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ام المومنین سے پوچھا کہ اس کا مقصد زمین والوں کو سزا دینا ہوتا ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا نے جواب کہ مومنین اس کا مقصد کے لیے یہ رحمت ہے جبکہ گناہ گاروں کے لیے یہ اللہ کا عذاب اور ان پر پھٹکار ہے

ضرورت عمرؓ کی مگر آج بھی ہے

عبدالعلی فاروقی

قیصر روم کے قاصد کے ذہن و دماغ میں اس شخص کا کیا خاکہ ہوگا جس کے نام کی ہیبت سے سپر پاور روم میں زلزلے آرہے تھے، وہ کہ جس نے اپنی فقیرانہ اداؤں، پیوند لگے کپڑوں اور عیش وعشرت کے تصور سے بے نیاز کھردری زندگی کے ذریعہ وقت کے فرعونوں کی نیندیں حرام کر رکھی تھیں، وہ نبی ﷺ کی دعائے مستجاب کا ثمرہ، مطلوب نبی اور مراد نبی.....یعنی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ!

جی ہاں! ان ہی عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کے پاس قیصر روم نے اپنا قاصد وسفیر بھیجا، قاصد کی نظروں میں اپنے شاہ کے ٹھاٹ باٹ تھے، اس کی چشم تصور میں شاہی محل اور خدمت گزاروں کی ایک فوج تھی، اس نے تو یہ سوچا بھی نہ تھا کہ سپر پاور کی راتوں کی نیندیں حرام کردینے اور اپنی ہیبت ورعب سے اپنے دین کے دشمنوں پر زلزلے طاری کردینے والی شخصیت اسے اس طرح یکہ وتنہا کسی حفاظتی بندوبست اور سیکورٹی گارڈ کے بغیر مل جائے گی۔

قاصد نے امیر المؤمنین سے ملاقات کے لیے ان کے "محل" کا پتہ پوچھا تو اسے بتایا گیا کہ وہ کسی محل میں نہیں، بلکہ جنگل میں ہیں۔ قاصد جنگل پہنچا تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ وہ عمر (رضی اللہ عنہ) جن کے نام کی ہیبت سے عرب وعجم تھرا رہے ہیں، وہ تو جنگل کی خاک پر اپنے سر کے نیچے درہ رکھے چین کی نیند سو رہے ہیں؟ اول اول قاصد کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا اور وہ دریائے حیرت میں ڈوب کر اپنے گردوپیش کا جائزہ لیتا رہا.....پھر جب اس کے حواس بحال ہوئے تو اسے سوجھی کہ اب جب کہ انہیں اکیلے میں اور وہ بھی سوتے ہوئے پالیا ہے تو کیوں نہ ان کا کام تمام کردیا جائے اور پھر جوں ہی وہ تلوار اٹھا کر قتل کے ارادے سے آگے بڑھا، اسے اپنی طرف دو شیر غضب ناک تیوروں کے ساتھ بڑھتے ہوئے نظر آئے اور خوف ودہشت کی وجہ سے تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گئی، اس آہٹ سے حضرت عمرؓ کی آنکھ کھل گئی اور انہوں نے بس یہ دیکھا کہ ایک حواس باختہ شخص ان کے قریب کھڑا تھر تھرا رہا ہے اور اس کی تلوار زمین پر پڑی ہوئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے کسی خوف ودہشت کے بغیر اس شخص سے ماجرا پوچھا تو اس نے اپنے اور اپنے آنے کے بارے میں تفصیل سے بتا کر اپنی بدنیتی اور اس کے انجام کا حال بیان کرتے ہوئے نہ صرف اپنی ندامت کا اظہار کیا، بلکہ اس دین حق کو قبول کرکے اسی وقت مسلمان بھی ہوگیا۔ جس (دین) نے عمرؓ کو دنیا سے نہ صرف بے رغبت وبے خوف بنا دیا تھا، بلکہ ایسا بے پناہ بھی بنا دیا تھا کہ شاہوں کے تاج ان کے زیر قدم آگئے تھے۔ شاہ روم کے قاصد کے لیے بھلے ہی یہ ایک حیرت ناک منظر رہا ہو، جس نے اس کے لیے ہدایت کے دروازے کھول دیے، لیکن امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے نہ یہ کوئی نیا اور نرالہ معاملہ تھا، نہ ہی ان کے لیے اس میں کوئی سامان حیرت تھا۔ وہ شیر تو پھر جاندار تھے جو امیر المومنین عمرؓ کی حفاظت کے لیے آگے بڑھے تھے، انہیں شیروں کے اس اقدام پر کیا تعجب ہوتا، جب کہ ان کا یقین کامل تو یہ تھا کہ

جو نبی کے غلام ہوتے ہیں
دو جہاں کے امام ہوتے ہیں

اور اسی یقین کا یہ کرشمہ تھا کہ جب زمین میں زلزلہ آیا تو انہوں نے کسی خوف وخطر کے بغیر بس زمین پر اپنا درہ مارتے ہوئے اسے پھٹکار لگائی کہ:

"ٹھہر جا! کیا میں نے تجھ پر انصاف نہیں کیا؟"

اور حکم پاتے ہی زمین ساکت ہوگئی.....کیسا زلزلہ اور کہاں کا زلزلہ؟ اور جب مدینہ طیبہ کے چند گھروں میں آگ لگنے کی انہیں اطلاع ملی تو آگ بجھانے کا

کوئی روایتی طریقہ اختیار کرنے کے بجائے صرف یہ کیا کہ ایک کپڑا لے کر اس پر لکھ دیا کہ:

"اے آگ! تو اس رب کے حکم سے بجھ جا، جس کی میں نے بندگی اختیار کی ہے" اور حکم دیا کہ اس کپڑے کو لپیٹیں مارتی آگ میں ڈال دیا جائے۔

اور جوں ہی اللہ کے سچے بندے اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وفادار غلام عمرؓ کا یہ حکم نامہ آگ میں ڈالا گیا، آگ فوراً سرد ہو گئی اور مکانات جلنے سے بچ گئے اور اگر "کرامات عمرؓ" ہی کا حال جاننا ہو تو اس واقعہ کی طرف بھی نظر کیجیے کہ ایک شخص سے آپ نے اس کا نام پوچھا، اس نے کہا میرا نام جمرہ (انگارا) ہے۔ پوچھا تمہارے باپ کا کیا نام ہے؟ اس نے کہا میرے باپ کا نام شہاب (شعلہ) ہے۔ دریافت فرمایا کہ کس قبیلہ سے تعلق ہے؟ اس نے بتایا کہ حرقہ (سوزش) سے۔ پوچھا وطن کیا ہے؟ جواب ملا حرہ (گرمی والا) ہے۔ فرمایا کس محلہ میں؟ عرض کیا ذات لظیٰ (لپٹ والے).....اس سوال وجواب کے بعد حضرت عمرؓ نے اس شخص سے کہا: بہت جلد اپنے گھر والوں کے پاس پہنچو، کیوں کہ وہ سب جل چکے ہیں۔ وہ بھاگا دوڑا پہنچا تو گھر اور گھر والوں کا وہی حال دیکھا، جو ایک مرد مومن نے پہلے ہی بیان کر دیا تھا۔ اور حضرت ساریہؓ کے ساتھ پیش آنے والا وہ واقعہ تو بے حد مشہور ہے کہ امیر المومنین عمر بن خطابؓ کے حکم سے حضرت ساریہؓ اپنے لشکر کے ساتھ ایک زبردست فوجی مہم پر دارالخلافہ مدینہ طیبہ سے سینکڑوں میل کی دوری پر میدان جنگ میں تھے کہ اچانک ان کے کانوں میں امیر المومنینؓ کی پُر رعب و پُرجلال آواز پہنچی: یا ساریۃُ الجبلَ! (اے ساریہؓ! پہاڑ کی طرف) اور جب ساریہؓ نے گھبرا کر گرد و پیش کا جائزہ لیا تو انہیں پتہ چلا کہ ان کے پورے لشکر کو دشمن کی فوج نے تین طرف سے گھیر لیا ہے اور بچنے کا صرف وہی ایک راستہ بچا ہے جس کی راہ نمائی امیر المومنین عمر بن خطابؓ نے کی ہے۔ ساریہ نے فیصلہ کرنے میں نہ تاخیر کی، نہ غلطی، بس فوراً اپنے لشکر کو لے کر پہاڑ پر چڑھ گئے اور لشکر کو منظم کر کے دشمن پر ایسا کاری حملہ کیا کہ اس کا سارا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ گیا اور وہ شکست کھا کر راہ فرار، اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا۔ وقتی طور پر ایک بڑا مرحلہ تو طے پا گیا۔ فوجی مہم کامیاب ہوئی اور حضرت ساریہؓ شاداں و فرحاں اپنے لشکر کے ساتھ فتح و ظفر کے پھریرے اڑاتے ہوئے مدینہ طیبہ بھی پہنچ گئے۔ لیکن ان کے لیے امیر المومنین کی وہ صدا "یا ساریۃُ الجبلَ" پراسرار ہی بنی رہی، جس نے ان کے کانوں سے ٹکرا کر جنگ کا نقشہ پلٹوا دیا تھا۔ ان کے لیے بجا طور پر حیرت کی بات یہ تھی کہ امیر المومنین عمر بن خطابؓ تو میدان جنگ سے سینکڑوں میل کی دوری پر مدینہ طیبہ میں ہیں، پھر کیوں کر ہمارے دشمن کے نرغہ میں گھر جانے کا انہیں علم ہوا؟ اور کس طرح انہوں نے ہمیں آگاہ کرنے کے لیے صدا لگائی اور پھر وہ صدائے آگہی بالکل ٹھیک وقت پر میرے کانوں تک پہنچ بھی گئی؟ اگر یہ سب کچھ بر وقت نہ ہوتا تو انجام جنگ کیا ہوتا؟ دوسری طرف دارالخلافہ مدینہ طیبہ کے لوگ بھی اس وقت حیرت زدہ ہو کر ایک دوسرے کا منھ تکتے رہ گئے تھے جب مسجد نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے منبر پر خطبہ دیتے دیتے اچانک ہی امیر المومنین عمرؓ بن خطاب نے پوری قوت کے ساتھ تین مرتبہ یا ساریۃُ الجبلَ کی صدا لگائی تھی۔ تمام حاضرین بھونچکا اور حیرت زدہ تھے کہ امیر المومنین جس ساریہ کو مخاطب کر رہے ہیں وہ یہاں کہاں؟ سوالات ابھرے، ایک دوسرے سے حیرتوں کے تبادلے بھی ہوئے، مگر کس کی مجال تھی کہ امیر المومنین سے اس "شتر گربہ" کے سلسلہ میں اپنا اعتراض جتا کر یہ پوچھتا کہ خطبہ کے دوران یہ "بے ربط صدا" کیوں اور اس کی وجہ جواز کیا؟

اس پورے راز سے پردہ تو اس وقت ہٹا جب حضرت ساریہؓ نے مدینہ طیبہ واپس آ کر اپنے لشکر کی فتح اور اس فتح کی شاہ کلید اس "صدائے عمر" کا حال بتایا۔ اور پھر سب کو اپنے امیر و قائد عمر بن خطابؓ کی اس "نئی کرامت" کا حال بھی معلوم ہوا اور یہ کرامت تاریخ کے ریکارڈ میں آ کر رہی کہ۔

اللہ اللہ! یہ اعجاز روحانیت
نظم حکمت میں آیا یکا یک خلل
"مرد مومن" نے منبر پہ جب یہ کہا
ساریہ ساریہ! الجبل الجبل

ٹی وی، انٹرنیٹ اور وائرلیس کے تصور سے نا آشنا دور میں بات صرف کرامتوں کے اظہار کی نہیں ہے۔ بلکہ بات اس "چشمہ کرامات" تک رسائی اور اس سے فیض یابی کی ہے، جسے ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کے نام سے یاد کیا جا سکتا ہے اور جس نے عشق رسول کے سانچے میں ڈھل کر خالق سے ایسا رشتہ جوڑا تھا کہ انسان ہی نہیں، شجر وحجر، بحر و بر اور ہوا و فضا تک ساری ہی مخلوق کو اپنی تابعداری پر مجبور کر دیا تھا۔

سلام ہو عبدیت و طاعت کے ان روشن میناروں کو
سلام ہو مہر و وفا کی ایک نئی تاریخ رقم کرنے والوں کو



خیر اور شر کی جنگ

انسان اور اسکے ضمیر کا مکالمہ

محترمہ مدیحہ فاطمہ کے قلم سے

وہ رو رہا تھا کیونکہ وہ آج پھر زخم خوردہ تھا۔ وہ اپنے ربّ سے لوگوں کی زیادتیوں کی شکایت کر رہا تھا۔ اس نے آسمان کی جانب ایک نگاہ ڈالی لیکن وہاں چار سو خاموشی تھی اس نے دوبارہ اپنے اندر جھانکا جہاں اس کے ضمیر اور انا کے بیچ سخت کشمکش جاری تھی۔ انا جو شکوہ کرتی اسکا ضمیر اسے اس کا جواب دے دیتا۔ یہ ایک طویل بحث تھی جو طول پکڑتی جا رہی تھی۔ آخر انا نے تھک کر ضمیر کو مخاطب کیا: "تم مجھے سمجھا رہے ہو تمہیں معلوم بھی ہے کہ میں نے لوگوں کے ساتھ کبھی برا نہیں کیا پھر وہ میرے ساتھ برا کیوں کرتے ہیں۔؟" ضمیر: "ہاں میں جانتا ہوں تم جان بوجھ کر کچھ برا نہیں کرتے لیکن تم لوگوں کی ہر برائی پر انہیں برا بھلا کہتے ہو۔ ہوسکتا ہے یہی وجہ ہو کہ وہ تم سے محبت نہیں کر پاتے۔" انا: "یہ تو کوئی بات نہ ہوئی برائی تو ان کی طرف سے ہوتی ہے اب میں انہیں برا بھی نہ کہوں۔ میں کوئی فرشتہ تو نہیں جو کچھ بھی محسوس نہ کرے میں انسان ہوں اور یہ ہی میری کمزوری ہے۔" ضمیر: "ہاں مت کہو برا، صبر کرو۔ صبر میں بہت اجر ہے۔ تم فرشتہ نہیں تم تو اشرف المخلوقات ہو۔ تم وہ بھی کر سکتے ہو جو فرشتے نہیں کر سکتے۔ تمہیں انسان کی طاقت کا اندازہ ہی نہیں اللہ نے اسی لئے تو فرشتوں کو انسان کو سجدے کا حکم دیا تھا۔" انا: "چلو مان لیا! میں اشرف المخلوقات ہوں۔ لیکن میں صبر ہی تو کرتا ہوں کیا کبھی انکو پلٹ کر جواب دیا یا کبھی ان سے قطع تعلق کیا۔ اللہ نے رشتوں کو جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے تبھی میں نے ان کے ہر ظلم پر چپ سادھی ہے کہ کہیں رشتے نہ ٹوٹ جائیں۔ لیکن اب بس! اب میں بھی ان کے ساتھ ویسے ہی پیش آؤ گا جیسا وہ مجھ سے پیش آتے ہیں۔" ضمیر: "نہیں تم یہاں غلط ہو اور تم صبر نہیں کرتے۔" انا (طیش میں آکر): "یہ صبر نہیں تو اور کیا ہے؟ کبھی ان سے بدلہ نہیں لیا، ان کے ظلم پر چپ رہی، ان کو پلٹ کر جواب نہیں دیا۔ لیکن اب میں برابر بدلہ لوں گا تاکہ انہیں اندازہ ہو کہ میں کوئی معمولی چیز نہیں۔" ہونہہ! ضمیر: "صبر ہمیشہ پہلی چوٹ پر ہوتا ہے۔ ایسے نہیں کہ دل میں پہلے برا بھلا کہو گالیاں دو اور پھر چپ کر جاؤ۔ اور کہو کہ اچھا چلو میں نے صبر کرلیا۔ صبر تو تب تھا جب تمہیں تکلیف پہنچے تو تم دل میں بھی انہیں برا نہ کہو اور اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دو۔" انا (غصے سے): "اچھا! میں تو بہت برا ہوں نہ تو پھر تم ہی بتا دو کے صبر کیا ہے۔" ضمیر (اسکے غصے کو نظر انداز کرتے ہوئے): دیکھو! یہ جو مشکلات ہیں یہ اللہ ہی کی طرف سے تمہاری آزمائش ہیں، اور انکو کشادہ دلی سے قبول کرنا اور ترکِ شکایت ہی صبر ہے۔" انا: "لیکن میرا دل لوگوں کے رویّے پر بہت روتا ہے، میں کیا کروں؟" ضمیر: "سب سے پہلے صبر کرنا سیکھو۔ یاد کرو! کفار مکہ نے نبی اکرم ﷺ پر کیسے کیسے مظالم نہیں ڈھائے۔ لیکن رحمتِ دو جہاں ﷺ نے کبھی کسی سے کچھ نہیں کہا۔ ہمیشہ ان کے بدتمیزیوں کے آگے خاموش رہے۔ اس لیے نہیں کہ وہ اس وقت طاقت ور نہ تھے یا انکی تعداد زیادہ نہ تھی۔ فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ نے سب کو معاف کر دیا ان کو بھی جنہوں نے مظالم ڈھانے میں کوئی کثر نہ چھوڑی تھی۔ حالانکہ تب وہ تعداد میں سب سے زیادہ اور طاقت ور تھے۔ لیکن انہیں بدلہ نہیں لیا کیونکہ انکی یہ معافی اللہ تعالیٰ کے لیے تھی اور انکی وہ دشمنی بھی اللہ تعالیٰ کے لیے تھی۔" انا (بے صبری سے): "لیکن اللہ نے تو بدلہ لینے کا کہا ہے کہ جیسا وہ ظلم کریں اتنا ہی بدلہ آپ بھی لے سکتے ہو تو پھر میں کیوں نہیں لے سکتا بدلہ؟" ضمیر: "اللہ نے تو یہ بھی کہا ہے کہ جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے

قصور معاف کردیتے ہیں ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں۔ اور ویسے بھی تمہیں بدلہ لے کر کچھ حاصل نہیں ہوگا صرف تمہارا نفس خوش ہوگا۔" انا(غصے سے):"تو میرا نفس ہی خوش ہوجائے کچھ تو سکون ملے گا مجھے۔"ضمیر:"مسلمان نفس کو خوش نہیں کرتا۔ کسی بزرگ نے کہا تھا کہ جنت صرف دو قدم ہے۔ایک قدم تم اپنے نفس پر رکھ دو، تو دوسرا قدم جنت میں ہوگا۔"انا :(خاموشی۔۔۔شاید وہ پست ہورہی تھی)ضمیر: تم برا بھلا کہنا چھوڑ دو اور اچھا ہی سوچو تاکہ وہ تمہاری مثبت سوچ کے اثر سے بدل جائیں۔تمہاری یہ منفی سوچیں انہیں تمہارا ہونے نہیں دیتی۔ دل میں کہیں نہ کہیں کھوٹ ہوتا ہے تبھی ہمارے ساتھ ایسا ہوتا ہے۔"انا: تو میں کیا کروں؟ میں جب اچھا سوچنے لگتا ہوں تو وہ پھر برائی کرتے ہیں۔اللہ انکو ہدایت کیوں نہیں دے دیتا۔"ضمیر:انکو ہدایت دینا اللہ کا کام ہے تم صرف دعا کرسکتے ہو۔لیکن تم وہ کیوں بھول رہے ہو جو اللہ نے تمہیں عطا کیا۔"انا:"کیا مطلب؟"ضمیر:"ابھی نماز فجر میں تم نے سورۃ الضحیٰ کی تلاوت کی تھی اسکا ترجمہ یاد ہے نا؟""انا" ضمیر کی بات سن کر کہیں غائب ہوگئی وہ بری طرح پست ہوئی تھی۔ اب صرف انسان رہ گیا اور اسکا بہترین ساتھی اسکا ضمیر ۔انسان:"ہاں"قسم ہے روزِ روشن کی۔اور رات کی جب وہ چھا جائے۔نہیں چھوڑا آپکو اے محمد ﷺ آپکے رب نے اور نہ وہ ناراض ہوا۔اور یقیناً آخرت آپکے لیے پہلی (حالت یعنی دنیا) سے کہیں بہتر ہے۔اور عنقریب آپکا ربّ آپکو وہ کچھ عطا کرے گا کہ آپؐ خوش ہوجائیں گے۔بھلا اسنے آپکو یتیم پاکر جگہ نہیں دی (بے شک دی)۔اور راستے سے ناواقف دیکھا تو رستہ دیکھایا۔اور تنگ دست پایا تو غنی کردیا۔تو آپ بھی یتیم پر ستم نہ کریے گا۔اور مانگنے والے کو جھڑکی نہ دیجیے گا۔اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کا بیان کرتے رہیے گا۔"ضمیر:"جب حضرت محمد ﷺ پر پہلی وحی کے بعد وحی کا سلسلہ رک گیا تو آپ بہت غمگین رہنے لگے اور عبادات میں بھی خلل پڑا تو کفار مکہ نے انکا مذاق اڑایا اور کہا کہ محمد ﷺ کو انکے خدا نے چھوڑ دیا ہے۔انکی باتوں پر آپ ﷺ بہت دلبرداشتہ ہوئے تب یہ سورۃ نازل ہوئی تھی۔" انسان:(اسکی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔لیکن یہ اب شکوے کے آنسو نہیں تھے ضمیر کو معلوم تھا تبھی اسنے اپنی بات جاری رکھی۔)ضمیر:"اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو معلوم تھا کہ تم آج پھر دل گرفتہ ہوگے تبھی اسنے تمہیں یہ سورۃ تلاوت کرائی تاکہ میں اسے تمہارے سامنے حجت پیش کرسکوں۔ اگر تم غور کرو تو اللہ تم سے فرمارہے ہیں یہ تو دنیاوی آزمائشیں ہیں۔ اور تم دنیا کی ہی فکر رہے ہو یہاں کے لوگوں کے رویے تمہیں تنگ کررہے ہیں ایسا نہیں ہونا چاہیے کیونکہ آخرت کا اجر دنیا سے کہیں بہتر ہے۔ مجھ سے شکوے کرکے میری ناشکری نہ کرو۔تم بے آسرا تھے کیا میں نے تمہیں آسرا نہیں دیا۔تم تنگ دست تھے کیا میں نے تمہیں غنی نہیں کیا۔تم محتاج تھے کیا تمہیں لوگوں کی محتاجی سے نہیں بچالیا۔تم میری نعمتیں یاد کرتے رہو گے تو کبھی دل گرفتہ نہیں ہوگے۔"ضمیر بول رہا تھا انسان سن رہا تھا۔رو رہا تھا اور اللہ کی نعمتیں یاد کررہا تھا۔واقعی وہ کیا تھا کچھ سال پہلے وہ لوگوں کے در پر پڑا تھا اپنی چھت نہ تھی اور اسکے اسباب بھی نہ تھے۔اور آج وہ ایک خوبصورت گھر کا مالک تھا ۔کچھ سال پہلے وہ بے نمازی، گناہگار، ناشکرا اور بھٹکا ہوا تھا اور آج وہ ہدایت یافتہ تھا۔ وہ صراط مستقیم کی راہ اپنانا چاہتا تھا۔اس کو اللہ نے سیدھا راستہ دیکھا دیا تھا۔ اس کو دنیا کی وہ تمام نعمتیں دی تھیں جو ایک عام انسان تصور کرسکتا ہے۔ہدایت اور دل کی نرمی بھی تو اللہ کا بہت بڑا انعام ہے۔پھر بھی وہ شکوے کررہا تھا۔اگر اس کے ساتھ برا ہورہا تھا تو اللہ اسکا نعم البدل بھی تو ان نعمتوں کی صورت میں دے رہے تھے۔اللہ صحیح کہتے ہیں کہ"اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔"ضمیر:"اگر اللہ ہمیں معاف کردیتا ہے اور نعمتیں نچھاور کرتا ہے تو ہم کیوں نہیں اللہ کی خاطر اللہ کے بندوں کو معاف کردیتے۔ کیوں صبر نہیں کرتے ۔آخرت کی بجائے دنیا والوں کی فکر میں لگے ہیں۔تم صرف انہیں نظر انداز کرو بہتر ہے کہ معاف کردو۔اللہ معاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔اور انہیں ہرگز برا بھلا نہ کہو ورنہ صبر و برداشت کا کوئی فائدہ نہیں۔ دل وسیع کرلو۔ اور اپنے اوپر اللہ کی نعمتیں یاد کرو اور اسکا شکر ادا کرتے رہا کرو۔"انسان نے ہار کر آنکھیں بند کرلی اسکو صبر آگیا تھا۔ وہ اب مسکرا رہا تھا اپنے پروردگار کی نعمتیں اور اپنے لیے اسکی محبت کو یاد کرکے۔ضمیر بھی مسکرا رہا تھا اپنی کامیابی پر۔لیکن دور کہیں کوئی رو رہا تھا۔ شیطان آج ناکام ہوا تھا اسے رونا تو تھا ہی کیونکہ آج پھر ضمیر کا خیر شیطان کے شر پر غالب آگیا تھا۔آسمانوں پر بہت دور ربّ کا نور بہت زور سے چمکا جیسے وہ خوش ہو۔فرشتے سمجھ گئے کہ لگتا ہے آج پھر کوئی اہل ایمان جیت گیا۔



جبلِ استقامت

عمر جولانی

اُمت مسلمہ کی تاریخ قربانیوں سے بھری ہوئی ہے اس کی اعلیٰ مثال انبیاء علیہ السلام تھے۔ جنھوں نے اللہ کی توحید کو دنیا میں عام کرنے کے لئے شرک وکفر کے سامنے ڈٹ گئے، باطل نے بھی اپنا پورا زور لگایا۔ جس دور کو بھی اٹھالیں، جس قوم کا بھی مطالعہ کرلیں۔ اللہ ہر قوم کو اپنا پیغام پہنچانے والے پیغمبر عطا فرماتے ہیں اور پھر یہ بھی اللہ کا احسان دیکھیں کہ وہ اُسی قوم سے اُن ہی کہ ہم زبان، ہم نسل تھے، انبیاء علیہ السلام کی کثیر تعداد بنی اسرائیل میں سے تھی۔ ہر نبی ہی اپنی جگہ شجاعت کے پیکر تھے، کسی نبی کو آرے سے کاٹا گیا، اور (ابراہیم علیہ السلام) کسی کو آگ میں زندہ جلایا گیا، مگر اللہ کے حکم پر یہ کٹ تو گئے مگر اللہ کے حکم سے روح گردانی نہ کی، آپ ہمارے پیارے نبی آخر زماں حضرت محمدؐ کی زندگی کا مطالعہ ہی کریں، آپؐ کی زندگی مشکلات ومشقتیں سے کس قدر بھرپور تھی۔ اس کے بعد پھر ہمارے پیارے نبیؐ کے صحابہؓ کی زندگیاں دیکھیں۔ جنھوں نے عرب کے صحراؤں کی تپتی ریت پر ''احد احد'' کی صدا لگائی کاٹ دیئے گئے قید کر دیئے گئے مگر کسی بھی صورت نبی آلاخر زماںؐ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زندگی دیکھ لیں، ہر حال میں پیارے نبیؐ کا ساتھ دیا۔ غرض یہ کہ اسلام کے آغاز سے جو سلسلہ جاری تھا وہ اب بھی تا حال جاری ہے اور اللہ کے حکم سے یہ اُس وقت جاری رہے گا جب تک قیامت قائم نہیں ہوجاتی۔ اسی سلسلہ کو اُمتیوں نے اپنی نبیؐ کی سنت سمجھ کر جاری رکھا اور یہ ایک فرض عین ہے جس کا حکم قرآن نے بار بار دیا ہے۔ اسی حکم کو اُمت نے جب بھی خود سے کیا تو ذلت اور پستی اُن کا مقدر ٹھہری۔ اُمت جہاد کو بھولا کر ذلت اور پستیوں کے گڑھے میں گری، اور وہ حدیث واضح پوری ہوتی نظر آئی جس کا مفہوم ہے کہ کفار مسلمانوں پر ایسی جھپٹیں گے جیسے بھوکا دسترخوان پر، دنیا کا سب بڑا کفری اتحاد افغانستان پر حملہ آور ہوا شیشان پر روس، بوسنیا پر سربیا، کشمیر پر ہندوستان، فلسطین پر اسرائیل، شام پر بشار اور اب روس شام پر، یہ سب ایک سلسلہ تھا جو تواتر سے چلا رہا ہے اور برما میں تو بدھ مت والوں نے انتہا کر دی۔ حتیٰ کہ لاشیوں کو قبروں کے بجائے گڑھوں اور تالابوں میں ڈالا گیا، بچوں کے ہاتھ پاؤں توڑے گئے۔ پورے برما میں مسلمانوں کی نسل کشی کی گئی اور یہ مظلوم اپنی جان بچا کر بنگلہ دیش کی طرف بھاگے تو وہاں کی حکومت نے بازور بندوق ان کو واپس دھکیل دیا۔ اللہ اُن کی نصرت ومدد فرمائیں اور مجاہدین اسلام کو اپنے بھائیوں اور بہنوں کا ایسا انتقام لینے کی توفیق عطا فرمائیں کہ اُمت کے سینے ٹھنڈے ہوجائیں (آمین)۔ گزشتہ چند دنوں سے امریکہ اور اُس کے اتحادیوں نے طالبان کے حملوں سے بوکھلا کر عوام کو بھی اپنی وحشیانہ بمباری کا نشانہ بنانا شروع کر دیا ہے۔ پہلے صرف ڈراؤن کا ستعمال تھا مگر اب جیٹ طیاروں سے کئی من وزنی بم گرائے جاتے ہیں۔ اس کی کئی مثالیں افغانستان میں موجود ہیں، کچھ ہی عرصہ پہلے ہلمند میں امریکہ نے ایک رات میں کئی فضائی حملے کئے اور ایک بڑی تعداد

میں عام مسلمانوں کو شہید کیا۔ ویسے جب بھی کوئی ایسی خبر جس میں مسلمانوں گمراہ کرنا ہو وہ اس دجالی میڈیا کا اولین مقصد ہے مگر جہاں بھی یہ اُمت کے مسائل یا اُس پر ظلم کو منظر عام پر لانا ہو اس میڈیا کو اپنی موت نظر آتی ہے۔ امارت اسلامیہ نے جہاں اس سال عزم عملیات کا آغاز کیا تو بہت سی کاروائیاں کی اور بہت سے علاقے غاصب فوج سے آزاد بھی کرائے۔ اسی سال کے آخر میں ایک بہت بڑی کاروائی ترتیب دی گئی جس کا ہدف قندہار آئیر بیس تھی۔ کیونکہ قندہار آئیر بیس میں امریکن اور اس کے علاوہ متعدد صلیبی ممالک کے فوجی موجود تھے۔ اُمت کے دس سرفروش جنھوں نے اپنی جانوں کو جنتوں کے بدلے بیچنے کا عہد اپنے رب سے کیا تھا وہ اس میں شامل تھی۔ کاروائی کا مقصد صلیبیوں سے اُمت کے خون کا قصاص لینا اور اللہ کی زمین پر اللہ کے نظام میں حائل ان نجس کفار کو پاک کرنا تھا۔ قندہار آئیر بیس سے قندھار اور اس ملحقہ ولایتوں کے لئے فضائی آپریشن کئے جا رہے تھے۔ اس اڈے (قندہار آئیر پورٹ) کے سیکورٹی غیر معمولی تھی، کئی سیکورٹی حصار تھے اور گیٹ تک پہنچنے کے لئے سات چیک پوسٹیں تھیں جن کو کراس کرنا تھا اور ہر چیک پوسٹ پر متعدد نیشنل افغان آرمی کے کٹ پتلی مرتد فوجی موجود تھے۔ اندر مجاہدین کے لئے تین بڑے ٹارگٹ موجود تھے، پہلا غیر ملکیوں کے ہاسٹل تک پہنچنا، جہاں وہ رہائش پزید ہیں۔ دوسرا اسلحہ کو تباہ کرنا اور تیسرا بیس کے اندر ایک بڑی مارکیٹ تھی جو خالص عسکری لوگوں کے لئے تھی جہاں سے وہ خریداری کرتے تھے کیونکہ قندہار شہر میں اُن پر متعدد حملے ہو چکے تھے اس لئے حکومت نے صرف فوجیوں کے لئے بیس کے اندر ایک بازار بنایا تھا جو مکمل افغان نیشنل آرمی کے لوگوں کے کنٹرول اور اخراجات چل رہا تھا۔ اس مبارک حملے کا آغاز رات کے کسی پہرہ میں کیا گیا۔ مجاہدین نے افغان نیشنل آرمی کی وردی پہنی ہوئی دس مجاہدین دشمن کو دھوکہ دیتے ہوئے تمام پوسٹوں کو کراس کر کے بیس میں داخل ہی نہ ہوئے بلکہ بغیر جنگ اپنے اپنے ہدف تک بھی پہنچ گئے۔ (الحمداللہ) ان بھائیوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ایک مجموعے کا نام ابوبکر صدیق دوسرے کا نام عمر فاروق اور تیسرے کا نام عثمان غنی رضی اللہ عنہ تھا۔ اب ابوبکر صدیق مجموعے کے ساتھیوں کا کام تھا بیس میں موجود غیر ملکی افواج کے رہائشی ہاسٹلز کو نشانہ بنانا اور زیادہ سے زیادہ افرادی قوت کو ختم کرنا، کیونکہ اس جگہ صرف غیر ملکی افواج تھیں۔ عثمان غنی مجموعے کا کام تھا کہ بازار جو کہ کفار کی معاشی اماج گاہ تھی اسے نشانہ بنانا۔ یاد رہے یہاں غیر فوجی یا غیر عسکری شخص کے داخل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسری طرف عمر فاروق مجموعے کا کام اسلحے کے سٹور کو تباہ کرنا تھا اور وہاں سے افغان نیشنل آرمی (مرتدین) سے جنگ کرنا تھا۔ تمام مجاہدین با آسانی اپنے اہداف کے قریب پہنچ گئے اور جنگ کا آغاز کیا۔ مجموعہ ابوبکر صدیق نے اپنے ٹارگٹ کے مطابق غیر ملکی فوجیوں کی رہائش کو نشانہ بنایا جس میں زیادہ تعداد امریکیوں کی بتائی جاتی ہے۔ بے خبر کفار کو یہ پتہ نہ چلا کہ مجاہدین ان کے گھر گھس کر مار رہے ہیں۔ دوسری طرف باقی دو مجموعات نے بھی یلغار کر دی۔ اب امریکیوں کی حالات تو غیر تھی ہی بزدل مرتد نیشنل آرمی بھی بھاگ کھڑی ہوئی۔ اس موقعے پر مجموعہ ابوبکر صدیق ؓ نے چن چن کر غیر ملکی فوجیوں کو نشانہ بنایا۔ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس بیس میں زیادہ تعداد امریکیوں کی تھی پہلے ہی حملے میں ستر کے قریب امریکی فوجی مردار ہوئے۔ ان فدائیاں اسلام نے عمارت میں ایسی پوزیشن لے لیں کہ جہاں سے وہ آنے والے ہر دشمن کا با آسانی نشانہ لیا جا سکتا ہے۔ اب دوسری طرف مجموعہ عمر فاروق ؓ نے اسلحے کے ڈپو کو نشانہ شروع کیا، میڈیا رپورٹ کے مطابق فدائی مجاہدین ایسا مواد اپنے ساتھ لائے تھے جسے کسی بھی چیز کو آسانی سے جلا کر خاک کیا جا سکتا تھا۔ اس مجموعے (گروپ) نے اسلحہ ڈپو میں آگ بھی لگانا شروع کی اور دشمن سے جنگ بھی کرتے رہے یاد رہے کہ اس سٹور میں زیادہ تر بڑا اسلحہ موجود تھا جن میں ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں تھیں۔ جبکہ عثمان غنی ؓ مجموعے نے بارا ز جو کہ خالصتاً عسکری لوگوں کے لئے تھا اُس کو نشانہ بنایا وہاں موجود افغان نیشنل آرمی جو حفاظت پر مامور تھی اُسے بھی نشانہ بنایا۔ کئی گھنٹوں تک تو کسی کو یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ کون لڑ رہا ہے کس جگہ سے مار رہا ہے، کتنے لوگ ہیں؟ رات پھر دوپہر تک تینوں طرف مجاہدین نے ڈٹ کر جنگ کی کسی مجموعے نے یک مشت کئی فوجی مارے تو کسی نے چن چن کر نشانے لئے، اکیس گھنٹے بعد افغان کٹ پتلی میڈیا نے ایجنسیوں کے حکم پر خبر چلا دی کے تمام حملہ آور مار دیئے گئے ہیں۔ ابھی کفار اور اُن کے حمایتی خوشیاں منا ہی رہے تھے کہ اچانک بیس کے اندر سے ایک فدائی مجاہد نے میڈیا کو فون کیا اور بیان دیا ''کہ الحمداللہ ہم سب زندہ ہیں اور اس وقت میرے سامنے ۱۰۰ کے قریب غیر ملکیوں کی

لاشیں پڑیں ہیں''۔اس فون کال کے بارے امارت اسلامیہ نے بیان دیا۔تینوں مجموعات نے اپنا کام جاری رکھا۔افغان نیشنل آرمی مکمل ناکام ہوگئی تو امریکی افواج نے اپنے پرانے طریقہ اپناتے ہوئے مجاہدین کو فضائی بمباری سے شہید کرنے کا منصوبہ بنایا۔جیٹ کی مدد سے ایک آکسیجن بند کرنے والا مزائل مارا گیا(بقول ذرائع)۔اللہ کا کرنا کچھ ایسا ہوا کہ مزائل اپنے ہدف کے بجائے قریبی آبادی میں جالگا(اناللہ وانا الیہ راجعون)،جس کئی مقامی بچے اور عورتیں شہید ہوگئے۔جب یہ چال بھی ناکام ہوئی تو بزدل افغان فوج نے کئی حملے کئے جو تمام کے تمام ناکام ہوئے بلکہ بھاری جانی نقصان بھی ہوا اسلحہ سٹور پر حملہ آور مجاہدین نے وہاں کھڑے ٹینکوں کو آگ لگا دی اور بیس میں موجود بازار کو ساتھیوں نے بارود سے اڑیا جس سے باراز میں آگ لگ گئی۔کئی گھنٹوں کی مسلسل جنگ جو ایک دن سے زیادہ طویل ہوچکی تھی مگر سلام اُمت کے ان دلیر بیٹوں پر جو جھکے نہیں،اسلحہ ڈپو اور بازار میں لگی آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کررہے تھے۔چند فدائی مجاہدین زخمی بھی چکے تھے۔مگر اللہ کے بندے ڈٹے رہے۔ ستائیس گھنٹے کی اس جنگ میں دشمن کی عسکری قوت اور ٹیکنالوجی کا پول کھل گیا۔زخموں سے چور ہوکر بھی باطل کے سامنے ڈٹے رہے۔امریکی خود میدان میں آکر مقابلے کرتے مگر ڈھال کے طور پر افغان مرتد نیشنل آرمی کو آگے کرتے۔ایک غلام کی اتنی ہی اوقات ہوتی ہے کہ جب آقا کو کہیں کسی پالتو کی ضرورت ہو تو اسی طرح کے غلاموں کے سر پیش کر دیئے جاتے ہیں۔

تم جس سے وفا نبھاؤ گے
ساتھ اُسی کے جاؤ گے

اللہ سے وفا نبھانے والے اس وقت زخموں سے چور ہوکر کسی لالچ کے بغیر صرف اور صرف رب کی جنتوں کے حصول کے لئے لڑ رہے تھے۔آپ ذرا اس منظر کو سوچیں۔۔۔کہ ایک دن پورا ہوچکا ہے گولیوں کی برسات میں اور ہر ہتھیار اُن پر آزمایا جارہا ہے جو انسان کی تباہی کے لئے بنایا گیا ہے۔کبھی دائیں سے کبھی بائیں سے،مگر جبلِ استقامت اس میدان میں ڈٹے ہوئے ہیں۔میں کیوں اللہ کے ان بندوں کو استقامت کا پہاڑ نہ کہوں؟اسی گولیوں کی برسات میں زبان پر شہادت کے کلمے سجائے اور خون اور زخموں میں نہائے جنتوں کے یہ دولہے بالآخر اپنی منزل کی طرف روانہ ہونا شروع ہوئے۔مگر اپنے خون سے اس اُمت کا نام یہ پیغام لکھ گئے

ادا کرآئے جو تھا فرض ہم پر
باقی جو ہے، وہ فرض تم پر

اس ایک دن سے بھی زیادہ جنگ میں دشمن کو بھاری جانی اور مالی نقصان ہوا،جس کا اندازہ کچھ اس طرح ہے۔ہماری اطلاعات کے مطابق

(۱)بیس میں موجود خریداری کا مرکز جو مکمل جل گیا(جس میں صرف فوجی آتے تھے)یہ ایک معاشی ضرب تھی جس میں کئی دوکانیں اور ساز وسامان مکمل جل گیا۔

(۲)اسی بیس میں موجود عسکری ساز وسامان جو امریکہ چودہ سال تک لاتا رہا ہے اس کو بھی مجاہدین نے کامیابی سے نشانہ بنایا جس میں امریکی ہیلی کاپٹر جس کی قیمت لاکھوں ڈالر میں ہوتی اور اس کے ساتھ ۳۰ سے زیادہ ٹینک تباہ ہوگئے(الحمداللہ)۔چھوٹا اسلحہ بھی اس میں شامل تھا۔جو مکمل جل کر خاکستر ہوگیا تھا۔

(۳)افرادی قوت پر بھی نہایت ہی کاری ضرب لگائی گئی،جیسا کہ اندر موجود فدائی ساتھیوں نے فون کال پر بتایا کہ پہلے ہی حملے میں ستر یا سو فوجی مردار ہوگئے تھے۔اب سوچیں کہ یہ جنگ ستائیس گھنٹے جاری رہی،اگر میڈیا کی سنیں تو صرف یہی کہ گا کہ عورتیں اور بچے مارے گئے۔حیرانگی کی بات ہے آئیر بیس میں عورتوں اور بچوں کا کیا کام ہے کہ رات کو آئیر بیس میں حساس ترین جگہ پر گھوم رہے ہوں۔یہ وہی میڈیا ہے جو دو امریکی ہیلی کاپٹروں کے ٹکرانے پر بھی کسی فوجی کے مرنے کی خبر نشر کرتا بلکہ ان کے مطابق تو اُن کو خراش بھی نہیں آتی۔اس سے بڑھ کر مضحکہ خیز بات کہ اس حملے پر ایک افغان عہدے دار نے بیان دیا کہ ہمارا ایک فوجی مرا ہے(سبحان اللہ)۔ایک یورپی اخبار کے مطابق دوسو سے زیادہ غیر ملکی اس جنگ میں مردار ہوئے۔افغان آرمی کے مرداروں کی تعداد اس میں شامل نہیں۔اللہ کے ان شیروں نے اپنے اسلاف کی یاد تازہ کردی،دنیا کے وسائل جادوئی ٹیکنالوجی کے مالک،اس دنیا میں خود کو چوہدری سمجھنے والا امریکہ افغانستان میں آخری سانسیں لے رہا،پوری دنیا میں امریکہ کے ہر اتحادی کو ایسی مار پڑ رہی ہے امریکہ بہادر کی اپنی نیندیں حرام ہوچکی ہیں۔اِنھی دنوں صومالیہ میں (امریکی نواز)افریقی یونین اتحادی فوج کے ایک بڑے اڈے پر مجاہدین نے حملہ کیا جس میں ۱۱۰ فوجی مردار ہوئے اور چند صحیح سلامت فرار ہوسکے۔۔۔بقیہ صفحہ نمبر(35) پر

کفار کی اعانت کرنے اور اُن سے استعانت لینے میں فرق!

شیخ ڈاکٹر عبداللہ محیسنی

جو مسئلہ میں آپ کے سامنے آج بیان کرنے جا رہا ہوں، وہ مسئلہ بہت اہمیت کا حامل ہے، پس اپنے کانوں کو میری طرف متوجہ کیجیے، اس مسئلہ میں خصوصی طور پر مجاہدین بھائیوں کی توجہ چاہوں گا،

''حتی کہ تمہارے قدم نہ لڑکھڑائیں''

یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر کثرت سے قیل وقال (یہ کہا جاتا ہے، وہ کہتے ہیں) کا معاملہ اختیار کیا جاتا ہے، اگر ہم قرآنِ مجید سے ہدایت لیں تو ہم اللہ کے اس فرمان کی پیروی کریں: [حالانکہ اگر یہ لوگ اسے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اور اپنے میں سے ایسی باتوں کی تہہ تک پہنچنے والوں کے حوالے کر دیتے، تو اس کی حقیقت وہ لوگ معلوم کر لیتے جو نتیجہ اخذ کرتے ہیں]

اے بھائیو! اس مسئلہ میں بہت سے بھائیوں کی جہالت ہی اُن کے قدم لڑکھڑانے کا سبب ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے استقامت کا سوال کرتے ہیں، پس ہم اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہوئے بیان کرتے ہیں،

اے فیضیاب، حتی کہ تمہارے قدم نہ لڑکھڑائیں''

اُس تکفیر پر جو ناحق ہو اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں داخل ہو جاؤ، (جس کسی نے بھی اپنے بھائی کو کہا: اے کافر! تو وہ تکفیر اُن میں سے ایک کی طرف ضرور لوٹتی ہے)

''حتی کہ تمہارے قدم نہ لڑکھڑائیں'' اُس تکفیر پر جو کسی مسلمان پر ناحق کی جائے، میں عجلت میں آپ سے کسی مسلمان کے خلاف کفار کی اعانت (مدد) کرنے کے مسئلہ پر اہل علم کی طرف سے مختصراً بیان کرتا ہوں، اس سے قبل کہ ہم مسئلہ اعانت پر بیان کریں، یہ ضروری ہے کہ ہم آج میدانِ جہاد کے حالات کی وضاحت بھی کریں کہ یہ مسئلہ کیوں اتنا سنجیدہ ہے،

ایک بھائی میرے پاس آئے اور کہا:

اے شیخ فلاں جماعت نے اللہ کے دین سے ارتداد اختیار کر لیا ہے؟ میں نے سوال کیا:

کیوں؟ اُس نے جواب دیا:

انہوں نے کفار سے بغاۃ (شدت پسند باغیوں) کے خلاف اعانت لی ہے۔، میں نے اس سے کہا:

کیا یہ نواقض اسلام (وہ اعمال جو مسلمان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتے ہیں) کے کسی نواقض میں سے ہے؟ تو اس نے حیرت سے جواب دیا:

کیا اس مسئلہ میں اختلاف ہے؟

پھر میں نے اس کو علماء کے اقوال سے آگاہی دی اور اس سے متعلق دلائل پیش کیے، تو وہ حیرت زدہ رہ گیا، اور مجھ سے گزارش کی میں اس مسئلہ کو اپنے بیانات کے سلسلے کا حصہ بناؤں۔

پس اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہوئے میں بیان کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ میری ہدایت کی طرف رہنمائی فرمائیں،

یہ وہ مقام نہیں ہے کہ جہاں پر ہم اس مسئلہ سے متعلق درست ترین موقف کے بارے میں فیصلہ کریں، بلکہ اس کو بیان کرنے کا مقصود یہ ہے کہ اہل علم (علماء وفقہاء) کے ہاں پائے جانے والے موقف کی وضاحت ہو سکے،

''حتی کہ تمہارے قدم نہ لڑکھڑائیں''

اور تم مجاہدین کی تکفیر ناحق نہ کر دو اور اپنے جہاد کو تباہ کر بیٹھو، پس اے فیض یاب، یہ جان لو:

''حتی کہ تمہارے قدم نہ لڑکھڑائیں''

اہل علم کے اجماع کے مطابق مشرکین کی اعانت اور

اُن کی جنگ میں نصرت مسلمانوں یا مسلمانوں کی جماعت کے خلاف کرنا حرام ہے۔

یہ جان لو کہ مشرکین کی اعانت مسلمانوں کے خلاف کرنا نواقض اسلام (وہ اعمال جو مسلمان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتے ہیں) میں سے ہے، اور اللہ کے دین سے کھلا ارتداد ہے، جیسا کہ نیٹو (NATO) کی اعانت مجاہدین کے مقابلے میں کرنا۔ شیخ ابن بازؒ نے اپنے فتاوی میں کہا ہے: علمائے اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو کوئی بھی مسلمانوں کے مقابلے میں کفار کی مدد کرے، چاہے وہ اعانت کسی بھی نوعیت کی ہو، وہ انہی کی مثل کافر ہے۔ شیخ احمد شاکرؒ کہتے ہیں: انگریزوں کے ساتھ کسی بھی قسم کی معاونت مسلمانوں کے خلاف قتال میں کرنا، چاہے اس معاونت کا تعلق کسی بھی قسم سے ہو، چاہے تھوڑی ہو یا زیادہ، یہ شدید ترین ارتداد ہے۔

اور ''حتی کہ تمہارے قدم نہ لڑکھڑائیں''

یہ جان لو کہ، کفار کی اعانت (کفار کی مدد کرنا) کرنے کا حکم استعانت (کفار سے مدد لینے) جیسا نہیں ہے، ان حالات میں کفار کی اعانت کرنا جبکہ وہی اِس جنگ کے لیے تیاری کا حکم دیں، اور وہی کفار اُن لوگوں کو دعوت دیں، جو اسلام کے دعویدار ہیں کہ وہ اِس (کفار کی) جنگ میں اُن کے ساتھ مل جائیں، تو یہ کفر ہے ضروری ہے کہ علماء کے اس متفقہ مسئلہ کو بھی بیان کیا جائے: مسلمانوں کا کفار کے مقابلے میں کفار سے مدد لینا سرے سے علماء کے نزدیک تکفیر کی بحث میں شامل ہی نہیں ہے اور نہ ہی سلف میں سے کسی نے ایسے فاعل کی تکفیر کی ہے۔ اور جس چیز پر فقہاء متفق ہیں وہ یہ کہ وہ کسی اُس مسلمان کی تکفیر نہیں کرتے، جو کسی ظالم باغی مسلمان کے خلاف کسی کافر سے مدد لے، بشرطیکہ مدد طلب کرنے والے مسلمان کا حکم (اقتدار) کفار پر غالب رہے اور مسلمانوں کا جھنڈا ہی بلند رہے۔ اور مسلمانوں کی مصلحت دوسروں کے مقابلہ میں (مدد طلب کرتے ہوئے) غالب رہے، ہماری اس عدم تکفیر کا مطلب ہرگز اس (کفار سے استعانت لینے کے) فعل کو جائز قرار دینا نہیں ہے بلکہ اس کا مقصود اس فاعل کی تکفیر کرنے کی نفی ہے۔ اور اپنے اس مسئلہ کی تفصیل یوں ہے، یعنی:

کفار سے استعانت کسی مسلمان باغی کے خلاف لینا جبکہ قوت وغلبہ مسلمانوں کا ہی باقی رہے*

اس مسئلہ میں سب سے صحیح بات وہی ہے جو جمہور فقہاء نے اختیار کی ہے: اس کو ناجائز (حرام) قرار دینا اور ہر حالت میں اِس کو جرم سمجھنا، اور یہ قول مالکی، حنبلی اور شافعی میں مشترک ہے جبکہ حنفی اختلافِ رائے رکھتے ہیں۔

اور ''حتی کہ تمہارے قدم نہ لڑکھڑائیں''

اس بات پر توجہ دو کہ جنہوں نے اس کو حرام قرار دیا اور اس کی مذمت کی، جبکہ وہ کثرتِ رائے رکھتے ہیں، اُن میں سے کسی نے بھی استعانت لینے کو جائز سمجھنے والے کی تکفیر نہیں کی، اس لیے تکفیر (کسی پر کفر کا فتوی لگانا) اور تحریم (کسی چیز کو حرام قرار دینا) میں یہاں فرق ہے، اور اِس کو بیان کرنے کا مقصد یہ نہیں کہ اس مسئلہ کو ہلکا سمجھا جائے۔ اور اگر وہ باغی ظالم ہیں اور کفار کا حکم (اقتدار) غالب آتا ہے، تو پھر ایسی صورت میں کفر کا جھنڈا سربلند ہو جائے گا، اس لیے ضروری ہے کہ اس بہت خطرناک نازک مسئلے میں تساہل سے کام نہ لیا جائے۔

اور ''حتی کہ تمہارے قدم نہ لڑکھڑائیں''

ہوشیار اور خبردار رہو، اللہ آپ پر رحم فرمائیں کہ کہیں اجتہادی مسائل جس میں علماء کا بھی اختلاف ہے، وہ کفر اور ارتداد کا مسئلہ نہ بن جائیں۔ اور یہاں پر ہم جہادی جماعتوں کی قیادت کو متعدد بار تنبیہ کرتے ہیں کہ وہ تابع کفار سے استعانت کسی باغی مسلمان کے خلاف لینے (جبکہ غلبہ مسلمانوں کا رہے) اور کفار سے استعانت لینے جبکہ کفار کا غلبہ ہو کے مسئلہ میں عظیم فرق کو سمجھیں۔

اور ''حتی کہ تمہارے قدم نہ لڑکھڑائیں''

آپ کو خبردار کرتے ہیں: اگر کوئی شخص کسی کافر سے استعانت لیتا ہے، جس کو آپ کافر سمجھتے ہیں، جبکہ وہ اسے کافر نہیں سمجھتا، تو اس میں اجتہادی رائے ایک قابلِ قبول معاملہ ہے، پس اس لیے یہ اختلافِ رائے جائز ہے، اور اس پر جو ہم نے اوپر بیان کیا، اُس کا اطلاق نہیں کیا جائے گا۔

اور ''حتی کہ تمہارے قدم نہ لڑکھڑائیں''

خبردار رہو، اللہ آپ پر رحم فرمائیں، کہ اگر باغی جماعت کے خلاف کافر اور مسلمان بیک وقت قتال بغیر کسی متفقہ سمجھوتے کے شروع کر دیں، تو اس کو استعانت میں شمار نہیں کیا جاتا، اور یہ معاملہ سمجھنا بہت اہمیت کا حامل ہے۔ میں ان بیانات کو بہت ضروری اہمیت کا حامل سمجھتا ہوں، پس اِس پر غور وفکر کریں اور اسے نشر کیجیے، اللہ تعالیٰ آپ کے درجات کو بلند فرمائیں، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ثابت قدم رکھیں اور ہمیں غلطیوں سے محفوظ رکھیں۔



اللہ رب العزت نے انسانوں کو مختلف رشتوں میں پرویا ہے، ان میں کسی کو باپ بنایا ہے تو کسی کو ماں کا درجہ دیا ہے اور کسی کو بیٹا بنایا ہے تو کسی کو بیٹی کی نسبت عطا کی ہے، غرض رشتے بنانے کے بعد اللہ تعالی نے ان کے حقوق مقرر فرمائے ہیں، ان حقوق میں سے ہر ایک کا ادا کرنا ضروری ہے، لیکن والدین کے حق کو اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں اپنی بندگی اور اطاعت کے فوراً بعد ذکر فرمایا، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رشتوں میں سب سے بڑا حق والدین کا ہے۔

والدین سے حسن سلوک کا حکم!

اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے: ﴿وَقَضَى رَبُّكَ أَلاَّ تَعْبُدُواْ إِلاَّ إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلاَهُمَا فَلاَ تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلاَ تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيماً وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيراً رَّبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ إِن تَكُونُواْ صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلأَوَّابِينَ غَفُوراً﴾ (الاسراء:23-25)

ترجمہ: اور تیرے رب نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، اگر وہ یعنی ماں باپ تیری زندگی میں بڑھاپے کو پہنچ جائیں، چاہے ان میں ایک پہنچے یا دونوں (اور ان کی کوئی بات تجھے ناگوار گزرے تو) ان سے کبھی "ہوں" بھی مت کرنا اور نہ ان سے جھڑک کر بولنا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا، اور ان کے سامنے شفقت سے، انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دعا کرتے رہنا: اے ہمارے پروردگار! تو ان پر رحمت فرما، جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے پالا ہے (صرف ظاہر داری نہیں، دل سے ان کا احترام کرنا) تمھارا رب تمھارے دل کی بات خوب جانتا ہے اور اگر تم سعادت مند ہو تو وہ توبہ کرنے والے کی خطائیں بکثرت معاف کرنے والا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ جل جلالہ نے سب سے پہلے اپنی بندگی واطاعت کا حکم ارشاد فرمایا ہے کہ میرے علاوہ کسی اور کی بندگی ہرگز مت کرنا، اس کے بعد فرمایا کہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ اولاد کو یہ سوچنا چاہیے کہ والدین نہ صرف میرے وجود کا سبب ہیں، بلکہ آج میں جو کچھ ہوں انہی کی برکت سے ہوں، والدین ہی ہیں جو اولاد کی خاطر نہ صرف ہر طرح کی تکلیف دکھ اور مشقت کو برداشت کرتے ہیں، بلکہ بسا اوقات اپنا آرام و راحت، اپنی خوشی و خواہش کو بھی اولاد کی خاطر قربان کر دیتے ہیں۔

ماں کا مجاہدہ۔۔!

سب سے زیادہ محنت و مشقت اور تکلیف ماں برداشت کرتی ہے، سورۃ احقاف میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَاناً حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهاً وَوَضَعَتْهُ كُرْهاً﴾ (الاحقاف:15) ترجمہ: اس ماں نے تکلیف جھیل کر اسے پیٹ میں رکھا اور تکلیف برداشت کر کے اسے جنا۔ حمل کے نو (9) ماہ کی تکلیف اور اس سے بڑھ کر وضع حمل کی تکلیف یہ سب ماں برداشت کرتی ہے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اب اس کی پرورش کے لیے باپ محنت ومشقت برداشت کرتا ہے، سردی ہو یا گرمی، صحت ہو یا بیماری، وہ اپنی اولاد کی خاطر کسب معاش کی صعوبتوں کو برداشت کرتا ہے اور ان کے لیے کما کر لاتا ہے، ان کے اوپر خرچ کرتا ہے، ماں گھر کے

اندر بچے کی پرورش کرتی ہے ،اس کو دودھ پلاتی ہے،اس کو گرمی وسردی سے بچانے کی خاطر خود گرمی وسردی برداشت کرتی ہے ،بچہ بیمار ہوتا ہے تو ماں باپ بے چین ہوجاتے ہیں،ان کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں،اس کے علاج ومعالجہ کی خاطر ڈاکٹروں و علاج گاہوں کے چکر لگاتے ہیں ۔غرض والدین اپنی راحت وآرام کو بچوں کی خاطر قربان کرتے ہیں،اس لیے اللہ تعالی نے جہاں اپنا شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے وہاں ساتھ ساتھ والدین کا بھی شکر گزار رہنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے ،سورۃ لقمان میں اللہ تعالی فرماتے ہیں:﴿ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ﴾ (لقمان:41) ترجمہ کہ میرا شکر یہ ادا کرو اور اپنے والدین کا شکریہ ادا کرو،میری طرف لوٹ کر آنا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ۔۔!

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا کہ میں نے خراسان سے اپنی والدہ کو اپنے کندھے پر اٹھایا اور بیت اللہ لایا اور اسی طرح کندھے پر اٹھا کر حج کے مناسک ادا کروائے ،کیا میں نے اپنی والدہ کا حق ادا کر دیا؟ تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:"نہیں، ہرگز نہیں، یہ سب تو ماں کے اس ایک چکر کے برابر بھی نہیں جو اس نے تجھے پیٹ میں رکھ کر لگایا تھا۔"اللہ تعالی نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے: ﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ یعنی ان کے ساتھ انتہائی تواضع و انکساری اور اکرام واحترام کے ساتھ پیش آئے، بے ادبی نہ کرے،تکبر نہ کرے، ہر حال میں ان کی اطاعت کرے ۔الا یہ کہ وہ اللہ کی نافرمانی کا حکم دیں تو پھر ان کی اطاعت جائز نہیں۔سورہ عنکبوت میں اللہ تعالی کا ارشاد گرامی ہے:﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِن جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا﴾(العنکبوت:8) ترجمہ: ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور ساتھ یہ بھی بتادیا ہے کہ اگر وہ تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو میرے شریک ٹھہرائے جس کے معبود ہونے کی کوئی دلیل تیرے پاس نہ ہو تو ان کا کہنا مت ماننا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا فرمان ۔۔!

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کس طرح کیا جائے؟ تو انہوں نے فرمایا:!تو ان پر اپنا مال خرچ کر اور وہ تجھے جو حکم دیں اس کی تعمیل کر، ہاں! اگر گناہ کا حکم دیں تو مت مان۔(الدرالمنثور)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ۔۔!

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک میں سے یہ بھی ہے کہ تم ان کے سامنے اپنے کپڑے بھی مت جھاڑو،کہیں کپڑوں کا غبار اور دھول ان کو نہ لگ جائے۔

بڑھاپے میں حسن سلوک کا خصوصی حکم ۔۔!

اللہ تعالی نے خاص طور سے والدین کے بڑھاپے کو ذکر فرما کر ارشاد فرمایا کہ اگر ان میں کوئی ایک یا وہ دونوں تیری زندگی میں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو "اف" بھی مت کہنا اور نہ ان سے جھڑک کر بات کرنا۔حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بیان القرآن میں "اف" کا ترجمہ "ہوں" سے کیا ہے کہ اگر ان کی کوئی بات ناگوار گزرے تو ان کو جواب میں "ہوں" بھی مت کہنا۔ اللہ رب العزت نے بڑھاپے کی حالت کو خاص طور سے اس لیے ذکر فرمایا کہ والدین کی جوانی میں تو اولاد کو نہ "ہوں" کہنے کی ہمت ہوتی اور نہ ہی جھڑکنے کی، جوانی میں بدتمیزی اور گستاخی کا اندیشہ کم ہوتا ہے، البتہ بڑھاپے میں والدین جب ضعیف ہوجاتے ہیں اور اولاد کے محتاج ہوتے ہیں تو اس وقت اس کا زیادہ اندیشہ رہتا ہے ۔، پھر بڑھاپے میں عام طور سے ضعف کی وجہ سے مزاج میں چڑچڑاپن اور جھنجھلاہٹ پیدا ہوتی ہے، بعض دفعہ معمولی باتوں پر اور بسا اوقات درست اور حق بات پر بھی والدین اولاد پر غصہ کرتے ہیں، تو اب یہ اولاد کے امتحان کا وقت ہے کہ وہ اس کو برداشت کر کے حسن سلوک کا مظاہرہ کرتے ہیں، یا ناک بھوں چڑھا کر بات کا جواب دیتے ہیں، اس موقعہ کے لیے اللہ تعالی نے یہ حکم دیا ہے کہ جواب دینا اور جھڑک کر بات کرنا تو دور کی بات ہے، ان کو "اف" بھی مت کہنا اور ان کی بات پر معمولی سی ناخوشگواری کا اظہار بھی مت کرنا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ۔۔!

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر والدین کی بے ادبی میں "اف" سے بھی کوئی کم درجہ ہوتا تو اللہ جلّ شانہ اسے بھی حرام فرمادیتے۔(الدرالمنثور)

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا قول ۔۔!

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر والدین بوڑھے ہوجائیں اور تمھیں ان کا پیشاب دھونا پڑ جائے تو بھی "اف" مت کہنا کہ وہ بچپن میں تمھارا پیشاب پاخانہ دھوتے رہے ہیں۔ (الدرالمنثور:5/224)

والدین کا ادب ۔۔!

امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ

فرماتی ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس کے ساتھ ایک بوڑھا آدمی بھی تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ بوڑھا کون ہے؟ اس شخص نے جواب میں کہا کہ یہ میرا باپ ہے، آپ علیہ السلام نے فرمایا: "لاتمشی أمامه، ولاتقعد قبله، ولاتدعه باسمه، ولاتستب له (معجم الأوسط، للطبرانی: 267/4، رقم الحدیث: 4169) یعنی ان کے آگے مت چلنا، مجلس میں ان سے پہلے مت بیٹھنا، ان کا نام لیکر مت پکارنا، ان کو گالی مت دینا۔ بڑھاپے میں جب والدین کی کوئی بات ناگوار گزرے تو ان سے کیسے گفتگو کی جائے؟ اس کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَقُل لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيمًا﴾ (الاسراء: 23) یعنی: ان سے خوب ادب سے بات کرنا، اچھی بات کرنا، لب ولہجہ میں نرمی اور الفاظ میں توقیر وتکریم کا خیال رکھنا۔ قول کریم کے بارے میں حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے فرمایا: قول العبد المذنب للسید الفظ (الدر المنثور: 225/5) خطا کار اور زرخرید غلام سخت مزاج اور ترش رو آقا سے جس طرح بات کرتا ہے اس طرح بات کرنا یہ قول کریم ہے۔ آگے فرمایا: وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ ﴾ یعنی ان کے سامنے شفقت کے ساتھ انکساری سے جھکتے رہنا۔ حضرت عروہ رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ اللہ نے قرآن میں والدین کے سامنے جھکے رہنے کا حکم دیا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اگر وہ کوئی بات تیری ناگواری کی کہیں تو ترچھی نگاہ سے بھی ان کو مت دیکھ کہ آدمی کی ناگواری اول اس کی آنکھ سے پہچانی جاتی ہے۔ (الدر المنثور: 5/225) اور فرمایا کہ ان کے سامنے ایسی روش اختیار کر کہ تیری وجہ سے ان کی دلی رغبت پوری کرنے میں فرق نہ آئے اور جس چیز کو والدین پسند کریں تو وہ ان کی خدمت میں پیش کرنے میں کنجوسی مت کرنا۔ (برالوالدین،)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے معارف القرآن میں لکھا ہے کہ والدین کی خدمت واطاعت کا حکم کسی زمانے وعمر کے ساتھ مقید نہیں، بہرحال ہر عمر میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا واجب ہے، کیوں کہ والدین کی خدمت اور ان کی رضا مندی میں اللہ تعالی کی رضا مندی ہے اور ان کی ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی ہے۔ (5/466)

اللہ تعالی کی رضا وناراضگی۔۔!

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رضا الله مع رضا الوالدين، وسخط الله مع سخط الوالدين (شعب الإيمان: 177/6، رقم الحدیث: 7829، 7830)۔ یعنی اللہ کی رضا مندی والدین کی رضا مندی میں ہے اور اللہ کی ناراضگی ماں باپ کی ناراضگی میں ہے۔

جنت یا جہنم کے دروازے۔۔!

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من أصبح مطيعا فی والديه أصبح له بابان مفتوحان من الجنة، وإن كان واحدا فواحدا، ومن أمسى عاصيا لله فی والديه أصبح له بابان مفتوحان من النار، وإن كان واحدا فواحدا، قال الرجل: وإن ظلماه؟ قال: وإن ظلماه، وإن ظلماه، وإن ظلماه۔ (شعب الإيمان: 206/6، رقم الحدیث: 7916) یعنی جس شخص نے اس حال میں صبح کی کہ وہ اپنے والدین کے حقوق کی ادائیگی کے بارے میں اللہ کا فرماں بردار رہا تو اس کے لیے جنت کے دو دروازے کھلے ہوتے ہیں اور اگر والدین میں سے ایک زندہ ہو اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرے تو جنت کا ایک دروازہ کھلا رہتا ہے۔ اور جس نے اپنے والدین کے حقوق کی ادائیگی میں اللہ کی نافرمانی کی، اس کے بتائے ہوئے احکامات کے مطابق حسن سلوک نہ کیا تو اس کے لیے جہنم کے دو دروازے کھلے رہتے ہیں اور اگر والدین میں ایک زندہ ہو اور اس کے ساتھ بدسلوکی کرے تو جہنم کا ایک دروازہ کھلا رہتا ہے۔ کسی نے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی! اگرچہ ماں باپ نے اس پر ظلم کیا ہو؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ فرمایا: اگرچہ والدین نے ظلم کیا ہو۔ حضرت رفاعہ بن ایاس رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایاس بن معاویہ رحمہ اللہ کی والدہ کا انتقال ہوا تو وہ رونے لگے، کسی نے پوچھا کہ کیوں روتے ہو؟ تو انہوں نے فرمایا: "كان لی بابا ن مفتوحان إلى الجنة وأغلق أحدهما" یعنی میرے لیے جنت کے دو دروازے کھلے ہوئے تھے اب والدہ کی وفات پر ایک بند ہوگیا ہے، اس لیے رو رہا ہوں۔ کس قدر خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کے والدین زندہ ہیں اور وہ ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرتے ہیں اور ان کے لیے جنت کے دو دروازے کھلے ہوئے ہیں۔

والدین کے لیے دعا کا اہتمام کرنا۔۔!

اللہ تعالی نے جہاں والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے وہی پر ان کے لیے دعا کرنے کی تعلیم بھی ارشاد فرمائی ہے، چناں چہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا﴾ (الاسراء: 24) یعنی: اے میرے پروردگار! تو میرے والدین پر ایسے ہی رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں رحمت و شفقت کے ساتھ میری پرورش کی ہے۔ ہر نماز کے بعد والدین کے لیے دعا کرنے کا معمول بنالیں، دو بہت آسان دعائیں جن کی تعلیم خود اللہ جل شانہ نے قرآن کریم میں دی ہے، ایک ماقبل والی اور دوسری یہ: ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾ (الإبراهيم: 41) یعنی اے میرے پروردگار! روز حساب تو میری، میرے والدین کی اور تمام ایمان والوں کی بخشش فرما۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے فرمایا: "من صلى الصلوات الخمس فقد شكر الله، ومن دعا للوالدين في أدبار الصلوات الخمس فقد شكر الوالدين" (تفسير الخازن المسمى: لباب التأويل في معاني التنزيل، سورة لقمان: 216/5)

یعنی جس نے پانچ وقت کی نماز کی ادائیگی کا اہتمام کیا تو گویا اس نے اللہ کا شکر ادا کیا اور جس نے پانچ نمازوں کے بعد والدین کے لیے دعائے خیر کی تو گویا اس نے والدین کا شکر ادا کیا۔ اولاد کی دعا سے والدین کے درجات بلند ہوتے ہیں، حضرت عمرو بن میمونؒ سے روایت ہے کہ جب حضرت موسی علیہ السلام اللہ کی ملاقات کے لیے گئے تو وہاں عرش کے سائے تلے ایک شخص کو دیکھا اور اس کی حالت اتنی اچھی تھی کہ خود موسی علیہ السلام کو اس آدمی پر رشک آیا تو موسی علیہ السلام نے اللہ تعالی سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا کہ اے اللہ! تیرا یہ بندہ کون ہے؟ اللہ تعالی نے فرمایا: كان لا يحسد الناس على ما آتاهم الله من فضله، وكان لا يعق والديه، ولا يمشي بالنميمة (مكارم الأخلاق لابن أبي الدنيا: 86/1، رقم الحديث: 257) یعنی یہ شخص تین کام کرتا تھا۔ جو چیزیں میں نے اپنے فضل وکرم سے لوگوں کو نعمتیں عطا کی ہیں ان پر حسد نہیں کرتا تھا۔ والدین کی نافرمانی نہیں کرتا تھا۔ چغل خوری نہیں کرتا تھا۔

رزق میں اضافہ۔۔!

والدین کے ساتھ حسن سلوک رزق وعمر میں اضافہ کا سبب ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من أحب أن يمد الله في عمره، ويزيد في رزقه فليبر والديه، وليصل رحمه (شعب الإيمان: 185/6، رقم الحديث: 7855)

یعنی جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ اس کی عمر دراز کردے اور رزق میں اضافہ فرمائے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بروا آباءكم تبركم أبناؤكم (المعجم الأوسط: 299/1، رقم الحديث: 1002) یعنی تم اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو، تمہاری اولاد تمھارے ساتھ حسن سلوک کرے گی۔

موت کے بعد والدین سے حسن سلوک کا طریقہ

والدین دونوں یا ان میں کوئی ایک فوت ہو گیا ہو اور زندگی میں ان کے ساتھ حسن سلوک نہیں کیا اور کوتاہی ہوئی تو اب تدارک کیسے کیا جائے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بھی تعلیم دی ہے۔ حضرت ابواسید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ ایک آدمی آیا اور عرض کیا کہ ماں باپ کی وفات کے بعد بھی کوئی چیز ایسی ہے جس کے ذریعے ان سے حسن سلوک کروں؟ تو آپ صل اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نعم، الصلاة عليهما، والاستغفار لهما، وإنفاذ عهدهما من بعدهما، وصلة الرحم التي لا توصل إلا بهما، وإكرام صديقهما (سنن أبي داود:) ہاں! ان کے لیے رحمت کی دعا کرنا ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنا ان کے بعد ان کی وصیت کو نافذ کرنا، اس صلہ رحمی کو نبھانا جو صرف ماں باپ کے تعلق کی وجہ سے ہو، ان کے دوستوں کا اکرام کرنا۔

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ جب مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ان سے ملنے کے لیے آئے اور پوچھا تمہیں معلوم ہے کہ میں تمھارے پاس کیوں آیا ہوں؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، تو فرمایا میں نے حضور اقدس صل اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے: من أحب أن يصل أباه في قبره فليصل إخوان أبيه بعده (صحيح ابن حبان: 175/2، رقم الحديث: 432) یعنی جو یہ چاہتا ہے کہ اپنے باپ کے ساتھ قبر میں صلہ رحمی کرے تو اس کو چاہیے کہ ان کے بعد ان کے دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے، میرے والد عمر رضی اللہ عنہ اور تمھارے والد کے درمیان دوستی تھی، میں نے چاہا۔۔۔ بقیہ صفحہ (25) پر



حافظ کاشف مجاہد

پاکستان کا مطلب کیا۔۔!

پاکستان کی بنیاد میں لاکھوں شہداء کا خون اسلام کے نام پر کام آیا ہزاروں خاندان بے گھر ہوئے، سینکڑوں دشمن کی جیلوں میں سسک سسک کر دم توڑ بیٹھے۔

انسان جب بھی دنیا میں کسی چیز کو بنانے کی کوشش کرتا ہے تو سب سے پہلے اُس کی بنیاد رکھتا ہے اور وہ اس بنیاد کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنانے کی اپنیبساط کے مطابق کوشش کرتا ہے تا کہ بنیاد زیادہ سے زیادہ ہر طرح کے خطرات سے محفوظ رہے کیونکہ ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ بنیاد جتنی مظبوط ہوگی اس پر کھڑی عمارت خطرات سے محفوظ ہوگی۔ایک انسان یہ بھی جانتا ہے کہ بنیاد جتنی کمزور ہوگی اس پر کھڑی عمارت بھی اسی قدر خطرات میں گھری ہوگی اور اگر اس بنیاد کو نقصان پہنچتا ہے تو عمارت کو بھی نقصان پہنچے گا اور اگر عمارت کو نقصان ہوا تو اس کے مکینوں کا نقصان یقینی ہے۔یہ بہت عام فہم اور سادہ سی بات ہے جسے ہر شخص با آسانی سمجھ سکتا ہے بلکہ اگر بچوں کو بھی سمجھائی جائے تو وہ بھی سمجھ سکتے ہیں۔کسی بھی عمارت کا دارمدار اُس کی بنیاد پر ہوتا ہے یہ بنیاد انسان کے تمام شعبہ زندگی میں بڑی اہمیت کی حامل ہے، مثلاً بچے کی (بنیاد) پرورش کے وقت اُس کی خوراک میں جتنا اُس کی صحت کا خیال رکھا جائے گا اتنا ہی وہ مضبوط اور طاقت ور ہوگا اور آنے والے زندگی بھی پرسکون اور بیماریوں سے محفوظ گزار سکے گا۔جبکہ اگر (بنیاد) بچپن میں اُس کا خیال نہ رکھا گیا تو تادم مرگ وہ لاغر و لاچار اور طرح طرح کی بیماریوں میں گرا رہے گا۔آپ تعلیم و تربیت کو لے لیں تو آپ کو ایک شخص کی زندگی میں اُس کی بنیادی تعلیم و تربیت کے نقوش صاف نظر آئیں گے۔آپ ایک گھر کو لے لیجئے تو اُس کی بھی بنیاد تمھیں زمین کی گہریوں میں معلوم ہوگی۔غرض اپنے اردگرد نظر اٹھاتے جائیں گے تو آپ کو ہر چیز ایک بنیاد پر کھڑی نظر آئے گی۔ہاں !بلکل اسی طرح میرے اور آپ کے گھر (پاکستان) کی بھی بنیاد ہے جس پر یہ عمارت کھڑی ہے، یقیناً آپ کو یاد ہوگا کہ اس کی بنیاد میں سمیٹ سریہ یا کیمکل استعمال نہیں ہوا تھا بلکہ دوقومی نظرے کا مضبوط فولاد استعمال ہوا تھا، یعنی ہندو اور مسلم دو الگ الگ قومیں ہیں۔ان کا رہن سہن تہذیب و ثقافت معیشت و معاشرت، عبادت وسیاست غرض ہر چیز ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں۔سو یہ بنیاد رکھ لی گئی اور اس پر پاکستان جیسی خوبصورت وشاندار عمارت تعمیر ہوئے نصب صدی سے زائد عرصہ بیت چکا۔اب انصاب آپ کیجئے کہ اگر اس کی بنیاد پر کوئی وار کرے اس کی بنیاد کو گرانے کی کوشش کرے تو کیا اس کے مکین خاموشی سے بیٹھے رہیں گے یا اُس وار کو روکنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔کیونکہ یہ ایک فرد کا مسئلہ نہیں بلکہ اس عمارت میں مقیم ہر فرد کا مسئلہ ہے۔اگر عمارت کو نقصان پہنچا تو اُس کے ہر فرد کے لئے خطرے کی بات ہے، اور اگر عمارت سلامت رہی تو ہر فرد سکون واطمنان سئ رہے گا سو! اے اس خوبصورت عمارت (پاکستان) کے مکینوں تمارے گھر کی بنیاد پر حملہ ہو چکا ہے۔اگر اس حملے کو روکنا ہے تو پھر ہر پیر و جواں مرد وزن سب کو بیدا ہونا ہوگا، اور اس گھر کی بنیاد پر حملہ آور کو بتانا ہوگا کہ یہ بنیاد مضبوط ہے اور اس کے مکین بیدار ہیں اور وہ اس کی بنیاد پر کوئی بھی حملہ کارگر نہیں ہونے دیں گے۔یہ ایک اصولی سی بات ہے جو ہر اصول پسند

انسان سمجھ سکتا ہے کہ بنیاد بھی کسی کی رکھی ہوئی ہو اور عمارت بھی کسی کی تعمیر کی ہوئی ہو تو اُس کی بنیادوں پر وار کرنا جس زاوے سے بھی دیکھا جائے تو غیر قانونی وغیر اخلاقی بلکہ غیر انسانی فعل قرار پائے گا۔تو پھر کیا وجہ ہے جب پاکستان کی بنیاد دوقومی نظریہ ہے''لاالہ الا اللہ'' ہے۔اسلامی لاء کا نفاذ ہے تو اس بنیاد پر وار کرنے والے نہ غیر قانونی قرار پاتے ہیں نہ دہشت گرد نہ انتہا پسند، بلکہ امن پسند ،تہذیب و تعلیم یافتہ اور بااخلاق گردانے جاتے ہیں۔یہ کیسا انصاف ہے کہ بنیادوں کو ہلانے والے امن پسند ٹھریں اور بنیادوں کو بچانے والے شر پسند،کیا یہ رویہ درست ہے؟ کہ بنیاد کا تحفظ کرنے والوں کو قدم قدم پر روکا جارہا ہے اور بنیاد کو دیمک کی طرح چاٹنے والوں کو نوازا جارہا ہے۔آخر یہ بے اصولیاں کب تک؟ پاکستان میں بسنے والے ہر شخص سے گزارش ہے خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم،کیمنسٹ ہو یا سوشلسٹ،سیکولرازم کا ماننے والا ہو یا جمہوریت کا دعوے دار،خدارہ اگر تم اصول پسند ہو تو اس سچائی کو تسلیم کیوں نہیں کرتے کہ پاکستان اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے معرض وجود میں آیا۔اب تم میں سے ہر شخص مختلف نظاموں کا نعرہ لگا کر اس کی بنیادوں پر کیوں وار کر رہا ہے۔تم اُس وقت کہاں تھے جب محمد علی جناحؒ پاکستان کی بنیاد لاالہٰ پر رکھ رہے تھے۔آج تمھیں قائد سیکولر نظر آتا ہے۔اگر اسلامی نظامِ زندگی سے اتنی ہی نفرت تھی تو اُس وقت قائد سے کہہ دیا ہوتا کہ اس کی بنیاد پر عمارت تعمیر نہ کرو،علامہ اقبال سے اختلاف کر دیا ہوتا،کہ ایسی باتیں نہ کریں جن سے دن اور رات کا فرق واضح ہوتا ہے،کفر و اسلام الگ الگ نظر آنے لگیں۔سو اُس وقت تو تمھیں نظر نہ آیا کہ قائد و اقبال کن بنیادوں پر پاکستان کی تعمیر کرنے جارہے ہیں۔اب ہوش آرہا ہے تو کیوں حقیقت سے منہ موڑ رہے ہو۔تم تو دعوہ کرتے ہو کہ ہم بڑے اصول وانصاف پسند ہیں۔کیا تمھارا انصاف تمھیں اجازت دیتا ہے کہ جس پاکستان کی تعمیر کی بنیاد میں لاکھوں شہداء کا خون اسلام کے نام پر کام آیا ہزاروں خاندان بے گھر ہوئے،سینکڑوں دشمن کی جیلوں میں سک سک کر دم توڑ بیٹھے،اب تم میں سے کوئی اس بنیاد پر ہتھوڑا لے کر وار کر رہا ہے اور کوئی مشعل اٹھا کر اس کی بنیادوں کو جلا کر خاک ر دینا چاہتا ہے۔بتاو تم امن پسند ہو یا دہشت گرد؟ تم تخریب کار ہو یا انتہا پسند؟ جو پاکستان کی نظریاتی بنیادوں پر وار پے وار کئے جارہے ہو۔ہمیں بنیاد پرستی کا طعنہ دینے والو!ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھو اور اپنے آپ سے سوال پوچھو کہ کیا یہ حقیت نہیں کہ پاکستان دوقومی نظریے کی بنیادوں پر قائم ہے؟اور اگر ضمیر سے یہ آواز آئے کہ یہ سچ ہے تو پھر خدارہ یہ سمجھ کر کہ میں بھی اسی گھر (پاکستان) کا مکین ہوں اس کی بنیادوں کو گرانے کی کوشش چھوڑ دیجئے۔۔۔وگرنہ ڈوبے گی کشتی تو ڈوبو گے سارے۔۔۔لہذا انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر سیکولر جمہور،سوشلسٹ اور کیمنسٹ اسلامی نظام کی راہ روڑے اٹکانے کے بجائے اس سچائی کو کھلے دل سے تسلیم کرتے ہوئے پاکستان کا پرامن شہری ہونے کا ثبوت دے اور اس کی بنیاد (اسلامی نظام) پر وار کرنے کی تخریب کاری سے باز رہے۔

بقیہ: والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم

کہ میں اسے نبھاؤں (اس لیے تم سے ملنے آیا ہوں)۔آخر میں گذارش ہے کہ جن کے والدین دونوں یا ان میں سے کوئی ایک حیات ہے تو ان کو اللہ کی بہت بڑی نعمت سمجھ کر ان کی فرمانبرداری کرے، ان کے ساتھ حسن سلوک کرے، جتنا ہو سکے ان کی خدمت کرے اور ان کے حقوق کو ادا کرنے کی بھرپور کوشش کرے اور جن کے والدین دونوں یا ان میں سے کوئی ایک اس دنیا سے چلے گئے ہیں تو ان کے ساتھ اب حسن سلوک یہ ہے کہ ان کی وصیت کو نافذ کرے، ان کے ذمہ کوئی قرضہ ہو تو اسے ادا کرے،شرعی حصص کے مطابق میراث کو تقسیم کرے،خود دینی تعلیم حاصل کرے اور اس پر عمل کرے،ان کے لیے دعا کرے، اللہ سے ان کے لیے رحمت و مغفرت طلب کرے،ان کی طرف سے صدقہ کرے، ان کی طرف سے نفلی حج و عمرہ کرے،کہیں کنواں کھدوائے یا لوگوں کے پینے کے پانی کا انتظام کرے، دینی کتابیں خرید کر وقف کرے،مسجد بنوائے، مدرسہ بنوائے یا دینی علم حاصل کرنے والے مہمانان رسول کی ضروریات کو پورا کرنے میں تعاون کرے،والدین کے قریبی رشتہ داروں اور تعلق والوں کے ساتھ حسن سلوک کرے،نفلی اعمال کر کے ان کے لیے ایصال ثواب کرے، اپنے علاقہ، ملک اور دنیا بھر میں مظلوم مسلمانوں کی حالت زار کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے مال کے ساتھ ان کی خبر گیری کرے، اللہ تعالی تمام اہل ایمان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی توفیق سے نوازے،آمین،ثم آمین!

کیوں کرتے ہیں ہم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے محبت



مبصر الرحمن قاسمی

(رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ)

اگر یہ منتخب گروہ نہ ہوتا تو اسلامی شریعت بھی یہودیت ومسیحیت کی طرح تحریف کا شکار ہوجاتی۔

آپ ﷺ نے لعنت بھیجی ہے ہر اس شخص پر جو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو گالی دیتا ہے۔

حضراتِ صحابہ کرام سے محبت اہلسنت والجماعت کے نزدیک اصول ایمان میں سے ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بنی نوع انسان کے برگزیدہ ومنتخب افراد میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالی نے اپنے پیارے رسول ﷺ کی مصاحبت و نصرت اور دین کی دعوت واشاعت کے لیے منتخب فرمایا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین اُمت کا وہ طبقہ ہے جس نے حفاظت دین اور اگلی نسلوں تک اس کی تبلیغ کی اہم اور سنگین ذمہ داری کو اچھی طرح پوری کر چکا ہے۔ اگر یہ منتخب گروہ نہ ہوتا تو اسلامی شریعت بھی یہودیت ومسیحیت کی طرح تحریف کا شکار ہوجاتی۔ اب اگر کوئی شخص صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کی صلاحیت وراست گوئی اور امانتداری کے حوالے سے شک وشبہ کا اظہار کرتا ہے تو دراصل وہ قرآن وسنت کی حقانیت پر طعن کرتا ہے اور ان مآخذ ومنابع کو مشکوک بناتا ہے جو صحابہ کرام کے ذریعے ہم تک پہنچے ہوئے ہیں۔ دوسری جانب صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کی فضیلت میں موجود متعدد آیات واحادیث ان کی محبت کو ہم پر واجب بناتی ہیں، نیز جو افراد صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کی شان میں گستاخی کرتے ہیں ان سے دشمنی وبغض کا سبق بھی ہمیں انہی قرآنی آیات واحادیث نبوی سے ملتا ہے۔ ہم صحابہ کرام سے بے پناہ محبت کرتے ہیں چونکہ: 1۔ اللہ تعالی اُن سے راضی ہوا، ارشاد ربانی ہے: {لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا} (الفتح/ 18). (بیشک اللہ مومنوں سے راضی ہوگیا جب وہ (حدیبیہ میں) درخت کے نیچے آپ سے بیعت کررہے تھے، سو جو (جذبۂ صدق و وفا) ان کے دلوں میں تھا اللہ نے معلوم کرلیا تو اللہ نے ان (کے دلوں) پر خاص تسکین نازل فرمائی اور انہیں ایک بہت ہی قریب فتح (خیبر) کا انعام عطا کیا) 2۔ اس لیے کہ اللہ تعالی نے انہیں ایمان کی صفت سے متصف کرکے یاد کیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: {وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ} (الانفال/ 62). (اور اگر وہ چاہیں کہ آپ کو دھوکہ دیں تو بیشک آپ کے لئے اللہ کافی ہے، وہی ہے جس نے آپ کو اپنی مدد کے ذریعے اور اہلِ ایمان کے ذریعے طاقت بخشی) 3۔ ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین سے اس لئے محبت ہے چونکہ اللہ تعالی نے ان کی تصدیق کرکے انہیں کامیاب قرار دیا ہے اور انہیں جنت کا وعدہ بھی دیا ہے، ارشاد باری ہے: {لَكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَأُولَئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ * أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ} (التوبہ/89-88). (لیکن رسول (ﷺ) اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں اور انہی لوگوں کے لئے سب بھلائیاں ہیں اور وہی لوگ مراد پانے والے ہیں * اللہ نے ان کے لئے جنتیں تیار فرما رکھی ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں (وہ) ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، یہی بہت

بڑی کامیابی ہے۔) 4۔ہم صحابہ کرام سے محبت کرتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں یوں مخاطب کیا ہے: {كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران/110)؛ (تم بہترین اُمّت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لئے ظاہر کی گئی ہے،) ابن عباس فرماتے ہیں: یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہجرت کی۔ 5۔ہم صحابہ سے محبت کرتے ہیں چونکہ اللہ تعالی بھی صحابہ کرام سے محبت کرتا ہے، چنانچہ فرماتا ہے: {فَسَوْفَ يَأْتِي اللهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ } (المائدہ؛ 54) (عنقریب اللہ (ان کی جگہ) ایسی قوم کولائے گا جن سے وہ (خود) محبت فرماتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے)۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم یہ آیت "حروراء" کے لوگوں کے بارے میں نازل نہیں ہوئی بلکہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ 6۔ہم صحابہ کرام سے محبت کرتے ہیں چونکہ اللہ تعالی نے انہیں سچے مومن قرار دیا ہے، ارشاد ربانی ہے: (وَالَّذِينَ آمَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ فِي سَبِيلِ اللهِ وَالَّذِينَ آوَواْ وَّنَصَرُواْ أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ} (الانفال/74)؛ (اور جولوگ ایمان لائے اورانہوں نے ہجرت کی اوراللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے (راہِ خدا میں گھر بار اور وطن قربان کر دینے والوں کو) جگہ دی اور (ان کی) مدد کی، وہی لوگ حقیقت میں سچے مسلمان ہیں، ان ہی کے لئے بخشش اور عزت کی روزی ہے)۔ 7۔نبی کریم ﷺ نے ان سے محبت کرنے کوایمان کی علامت اور بغض صحابہ کونفاق کی علامت قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: »آيةُ الايمان: حب الانصار، وآيةُ النفاق بغض الانصار «؛متفق عليه. ترجمہ: "انصار سے محبت ایمان کی علامت اوران سے بغض نفاق کی علامت ہے"۔ 8۔ہمیں صحابہ کرام سے پیار ہے چونکہ ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ان کے تعلق سے بُرا کہنے سے منع کیا ہے، ارشادنبوی ہے:-: »إذا ذُكِر أصحابي فأمسكوا، وإذا ذُكِرتِ النُّجوم فأمسكوا، وإذا ذُكِرَ القدر فأمسكوا] صحّحه الألبانی 545 فی صحیح الجامع[(جب بھی میرے صحابہ کے بارے میں بات ہو رہی ہو تو خاموش رہو، جب بھی ستاروں سے متعلق بات ہو ہی ہو تو خاموش رہو، اور جب بھی قدر سے متعلق بات ہو ہی ہو تو خاموش رہو) 9۔صحابہ کرام سے ہمیں محبت ہے چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو امت مسلمہ کے امن وقرار کا سبب قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: {النجوم أمنة للسماء، فإذا ذهبت النجوم أتى السماء ما توعد، وأنا أمنة لأصحابي فإذا ذهبتُ أتى أصحابي ما يوعدون، وأصحابي أمنة لأمتي، فإذا ذهب أصحابي أتى أمتي ما يوعدون}؛ (مسلم: 2531)۔ (ترجمہ: ستارے آسمان کے لئے امان ہیں جب ستاروں کا نکلنا بند ہو جائے گا تو پھر آسمان پر وہی آجائے گا جس کا وعدہ کیا گیا میں اپنے صحابہ کے لئے امان ہوں اور میرے صحابہ میری امت کے لئے امان ہیں پھر جب میں چلا جاؤں گا تو میرے صحابہ میری امت کے لئے امان ہیں تو جب صحابہ کرام چلے جائیں گے تو ان پر وہ فتنے آن پڑیں گے کہ جن سے ڈرایا جاتا ہے۔) 10۔آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کواس امت کے بہترین افراد قرار دیا ہے اسی لیے ہمیں ان سے محبت ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: {خير أمّتي القرن الّذين يلونى ثمّ الّذين يلونهم ثمّ الّذين يلونهم (مسلم: 2532)۔ ترجمہ: میری امت کے بہترین اشخاص وہ ہیں جن کے درمیان میری بعثت ہوئی (صحابہ کرام)، پھر (وہ نسل) جو ان کے بعد آئے (تابعین)، پھر (سب سے بہترین افراد وہ ہیں) جو ان کے بعد آئیں (تبع تابعین)۔ 11۔ہم صحابہ سے محبت کرتے ہیں اس لیے کہ ہمارے پیارے نبی علیہ السلام نے ہمیں صحابہ کو بُرا بھلا کہنے سے منع کیا ہے، فرمان نبوی ہے: {لا تسبوا أصحابي، فوالذي نفسي بيده لو أنّ أحدكم أنفق مثل أحد ذهباً ما بلغ مُدَّ أحدهم ولا نصيفه}۔ (مسلم: 2540.)؛ ترجمہ: میرے اصحاب کو برا بھلا مت کہو، اگر کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر بھی سونا (اللہ کی راہ میں) خرچ کر ڈالے تو ان کے ایک مد (مٹھی) غلہ کے برابر بھی نہیں ہوسکتا اور نہ ان کے آدھے مد کے برابر۔ 12۔ہم صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنھم أجمعین سے محبت کرتے ہیں چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے ہر اس شخص پر جو صحابہ رضی اللہ تعالی عنھم أجمعین کو گالی دیتا ہے، فرماتے ہیں: "لعن الله من سبَّ أصحابي"[حسّنه الألبانی 5111 فی صحیح الجامع[(ترجمہ: اللہ تعالی کی لعنت ہو اس شخص پر جو میرے صحابہ کو بُرا بھلا کہے۔) 13۔ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنھم أجمعین سے محبت ہے چونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ان کے ذریعے دین پھیلے گا اور اسلام کی نصرت ہوگی۔ امر واقع بھی یہی ہے۔ ارشاد نبوی ہے: ترجمہ: ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ کچھ لوگ جہاد کریں گے، ان سے پوچھا جائے گا تمہارے ساتھ

ایسا آدمی ہے جو نبی کریم ﷺ کا ہمرکاب رہا ہو؟ وہ کہیں گے: جی ہاں، اس طرح (مقابلے کے بعد) وہ لوگ فتح یاب ہوں گے۔ پھر کسی اور زمانے میں مسلمانوں کا ایک گروہ جہاد کرنے جائے گا، ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا تمہارے ساتھ ایسا بندہ ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اَجمعین کے ساتھ رہا ہو؟ جواب آئے گا کہ جی ہاں، پھر مجاہدین کا وہ گروہ فتح یاب ہوگا۔ ایک ایسا دور بھی آئے گا کہ بعض لوگ جہاد کے لیے نکلیں گے تو ان سے سوال ہوگا کہ کیا تمہارے ساتھ ایسا آدمی ہے جو صحابہ کرام کے ساتھیوں کے ہمرکاب رہا ہو؟ وہ کہیں گے: جی، تو کامیاب ہوں گے۔ (بخاری ومسلم) 14۔ ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت ہے چونکہ وہ نبی کریم ﷺ کے وزیر اور مددگار ساتھی تھے، اس بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: {ان الله تبارك وتعالى اختارني، واختار لي أصحاباً، فجعل لي منهم وزراء وأنصاراً وأصهاراً، فمن سبهم فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين، لا يقبل منه يوم القيامة صرف ولا عدل}۔ (رواه حاكم وصححه)۔ ترجمہ: حضور اکرم نے فرمایا: اللہ نے مجھے منتخب فرمایا ہے اور میرے لئے میرے صحابہ کو منتخب کیا ان کو میرا وزیر، مددگار اور رشتہ دار بنایا جو ان کو برا کہے اس پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا کوئی فرض اور کوئی کفارہ قبول نہ کرے گا۔ 15۔ ہم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اَجمعین سے محبت کرتے ہیں اس لیے کہ ان سے محبت کرنا نبی کریم ﷺ سے محبت کرنا ہے اور صحابہ سے نفرت آپ ﷺ سے نفرت کی دلیل وعلامت ہے، اسی بارے میں فرمان نبوی ہے: {الله الله في أصحابي، لا تتخذوهم غرضاً بعدي، فمن أحبهم فبحبي أحبهم، ومن أبغضهم فببغضي أبغضهم، ومن آذاهم فقد آذاني، ومن آذاني فقد آذى الله، ومن آذى الله أوشك أن يأخذه} (رواه احمد وترمذي وجعله حسناً)؛ ترجمہ: میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو! میرے بعد ان کو (طعن وتشنیع کا) نشانہ نہ بنانا (یاد رکھو) جس نے اِن سے محبت کی، پس میری محبت کی وجہ سے اِس نے اُن سے محبت کی۔ جس نے اُن سے بغض رکھا

> **میری امت پر سب سے زیادہ رحیم ابوبکرؓ ہے، دین پر سختی سے عمل کرنے والا عمرؓ ہے، سب سے زیادہ سچے باحیا عثمانؓ ہے، عدل میں سب سے آگے علیؓ ہے، ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابوعبیدہ بن الجراحؓ ہے۔**

پس میرے بغض کی وجہ سے اُن سے بغض رکھا اور جس نے اُن کو اذیت دی پس اس نے مجھے اَذیت دی جس نے مجھے اَذیت دی، اس نے اللہ کو اذیت دی اور جس نے اللہ کو اذیت دی، پس قریب ہے کہ وہ اس کو گرفت کرلے۔ 16۔ ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اَجمعین سے محبت ہے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے احترام وعزت کو اپنے ہی احترام کے مترادف قرار دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: {احفظوني في أصحابي، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم}۔ (ابن ماجه: 1927، وصححه الالبانی)؛ ترجمہ: میری منزلت وعزت کی حفاظت کے لیے میرے صحابہ اور ان کے بعد آنے والے دو صدیوں کے لوگوں کی منزلت وعزت کا خیال رکھو۔ 18۔ ہم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اَجمعین سے محبت کرتے ہیں اس لیے کہ وہ اہل علم و فضیلت، اخلاق اور سچائی والے تھے، ارشاد نبوی ﷺ ہے: {أرأف أمتي بأمتي أبوبكر، وأشدهم في دين الله عمر، وأصدقهم حياء عثمان، وأقضاهم علي، وأفرضهم زيد بن ثابت، وأقرؤهم أبيّ، وأعلمهم بالحلال والحرام معاذ بن جبل، ألا وإن لكل أمة أميناً، وأمين هذه الأمة أبوعبيدة بن الجراح}۔ (حاكم، صحّحه الألباني 868 في صحيح الجامع.)

ترجمہ: میری امت پر سب سے زیادہ رحیم ابوبکرؓ ہے، دین پر سختی سے عمل کرنے والا عمرؓ ہے، سب سے زیادہ سچے باحیا عثمانؓ ہے، عدل میں سب سے آگے علیؓ ہے، ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابوعبیدہ بن الجراحؓ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کے صفات عالیہ کے ذکر میں کہتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو بہترین پایا۔ تو انہیں منتخب کر کے اپنا نبی بنایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سارے قلوب پر نظر ڈالی تو صحابہ کرام کے دلوں کو بہترین پایا سو انہیں اپنے برگزیدہ پیغمبر کی صحبت کے لیے منتخب کر کے آپ ﷺ کے وزیر بنا دیا تا کہ اس کے دین کی راہ میں لڑیں۔ اسی طرح ایک اور جگہ فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص سنت پر عمل کرنا چاہتا ہے تو ان کی پیروی کرے جن کا انتقال ہو چکا ہے، چونکہ جو زندہ ہیں معلوم نہیں فتنے کا شکار ہوں گے کہ

نہیں۔ جو اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں وہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ ہیں جو امت میں عقائد کے اعتبار مضبوط ترین اور سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے، دین میں وہ بہت کم تکلف کرنے والے تھے۔ صحابہ کرام وہ لوگ تھے جنہیں اللہ تعالی نے اپنے نبی کے مصاحبت اور دین کے قیام کے لیے منتخب فرمایا تھا۔ ان کی جاہ ومقام کو پہچانو اور ان کے طریقے پر چلو اس لیے کہ وہ ہدایت اور راہ راست پر تھے۔ [رواہ ابن عبد البرّ [صحابہ کرام کے حوالے سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: واضح اور آشکار مسائل میں سے ایک صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم أجمعین کی تمام خوبیوں کو بیان کرنا، ان کی غلطیوں اور آپس کے اختلافات کو بیان کرنے سے گزیر کرنا ہے۔ لہٰذا جو شخص کسی بھی صحابی کی شاں میں گستاخی کرے، برا بھلا کہے اور طعنہ زنی کرے یا کسی صحابی کی عیب جوئی کرے تو وہ شخص بدعتی، ناپاک، رافضی اواہل سنت کا مخالف ہے۔ اللہ تعالی (قیامت کے دن) نہ اس کی توبہ قبول فرمائے گا نہ کوئی فدیہ وکفارہ اس کی جان چھڑا سکے گا۔ اس کے برعکس صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم أجمعین سے محبت سنت اور ضروری ہے، ان کے لیے نیک دعاء کرنا قرب الٰہی کا باعث ہے۔ ان کی پیروی باعث نجات ہے اور ان کی راہ پر چلنا فضیلت شمار ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام سب سے اچھے لوگ تھے، کسی انسان کے لیے مناسب نہیں کہ انہیں گالیاں دے یا عیب جوئی کرکے ان کی شان میں گستاخی کرے اور انہیں گندی زبان سے یاد کرے۔ [کتاب السُّنَّة ص 78[امام آجری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالی کی توفیق سے میں نے اپنی کتاب (شریعہ) میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل تحریر کیا۔ اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم أجمعین کے فضائل کا تذکرہ ہوگا۔ جنہیں اللہ تعالی نے منتخب فرمایا اور اپنے برگزیدہ نبی کے لیے وزیر، رشتہ دار، ساتھی اور اس کی امت کے لیے خلیفہ مقرر فرمایا۔ مہاجرین وانصار وہ حضرات تھے جن کو اللہ تعالی نے قرآن پاک میں بہترین اوصاف کے ساتھ یاد کیا ہے۔ قرآن میں آیا ہے اللہ تعالی نے توریت میں بھی صحابہ کرام کو اچھے الفاظ واوصاف میں یاد کیا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالی کا فضل وکرم ہے۔ اللہ جلّ وعلیٰ کا فضل بہت بڑا ہے جسے چاہے وہ عطا فرماتا ہے۔ مہاجرین: مہاجرین وہ جاں نثار صحابہ تھے جنہوں نے اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لایا اور اپنے عمل سے اُسے ثابت کر دکھایا، سختیوں اور برے دنوں میں آپ ﷺ کے ساتھ رہے، اللہ کی راہ میں ذلت اور بھوک کو غیر اللہ کے راستے میں عزت اور شکم سیری پر ترجیح دی۔ اللہ کی رضا کے لیے رشتہ دار اور اجنبی کی مخالفت کو بخوشی قبول کیا۔ مہاجرین اپنے والدین، خاندان، قبیلہ، جائیداد اور سب کچھ چھوڑ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی میں ہجرت کے لیے نکلے۔ ان سب چیزوں سے زیادہ اہم ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول تھے اس لیے کہ ان کا ایمان مضبوط، عقل سلیم، نفس پاک، رائے صائب اور صبر زیادہ تھا اور یہ اللہ تعالی کی توفیق تھی۔ ارشاد الٰہی ہے: رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ} (المجادلہ: ۲۲)؛ ترجمہ: اللہ اُن سے راضی ہوگیا ہے اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے ہیں، یہی اللہ (والوں) کی جماعت ہے، یاد رکھو! بیشک اللہ (والوں) کی جماعت ہی مراد پانے والی ہے۔ انصار: وہ لوگ تھے جنہیں اللہ تعالی نے اپنے دین کی نصرت اور نبی ﷺ کی پیروی کے لیے منتخب فرمایا۔ جب نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے انصاری صحابہ آپ کے پاس تشریف لاکر مومنوں کی صف میں شامل ہوگئے۔ انصار اپنی بیعت میں مخلص تھے اور ہمہ تن آپ ﷺ کی نصرت ومدد کیلیے کمر بستہ تھے۔ انصار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی مکمل پیروی کرنے والے تھے اور نبی کریم ﷺ سے محبت کی وجہ سے انہوں نے آپ کو مدینہ آنے کی دعوت دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ابھی تک ہجرت کا وقت نہیں آیا ہے۔ انصار کا وہ دستہ جو آپ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کر چکا تھا واپس مدینہ چلا گیا تو وہ دیگر اہل مدینہ کے مشرف بہ اسلام ہونے کا ذریعہ بن گئے۔ تمام انصار اپنے ایمان میں ثابت قدم تھے چنانچہ جب مہاجرین مدینہ پہنچے تو انکا شاندار استقبال کیا گیا، انہوں نے نبی کریم ﷺ ودیگر مہاجرین کا خوب اکرام کیا۔ انصار کو معلوم ہوا یہ مبارک ہجرت اللہ تعالی کی طرف سے ان کے لیے بڑی نعمت ہے۔ اس کے بعد دیگر مہاجرین جب مدینہ پہنچے تو انصار نے ان کی بھی عزت وخدمت کی۔ اپنے گھروں کو تقسیم کرکے انہیں جگہ دینے کے علاوہ ان کو اپنے بچوں اور بیویوں پر بھی ترجیح دی۔ اللہ تعالی نے ان کے دلوں میں الفت ومحبت ڈالی تھی جس کی برکت سے وہ بھائی بھائی بن کر رہ رہے تھے۔ اللہ تعالی صحابہ کرام کی تعریف میں فرماتے ہیں: { وَإِن يُرِيدُوٓاْ أَن يَخۡدَعُوكَ فَإِنَّ حَسۡبَكَ ٱللَّهُ هُوَ ٱلَّذِيٓ أَيَّدَكَ بِنَصۡرِهِۦ

وَبِالْمُؤْمِنِينَ * وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ}؛ (الأنفال۔ 63۔ 62)؛ ترجمہ: اور اگر وہ چاہیں کہ آپ کو دھوکہ دیں تو بیشک آپ کے لئے اللہ کافی ہے، وہی ہے جس نے آپ کو اپنی مدد کے ذریعے اور اہلِ ایمان کے ذریعے طاقت بخشی اور (اسی نے) ان (مسلمانوں) کے دلوں میں باہمی الفت پیدا فرما دی۔ اگر آپ وہ سب کچھ جو زمین میں ہے خرچ کر ڈالتے تو (ان تمام مادی وسائل سے) بھی آپ ان کے دلوں میں (یہ) الفت پیدا نہ کر سکتے لیکن اللہ نے ان کے درمیان (ایک روحانی رشتے سے) محبت پیدا فرما دی۔ بیشک وہ بڑے غلبہ والا حکمت والا ہے۔ ایک دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: {وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعًا وَلاَ تَفَرَّقُواْ وَاذْكُرُواْ نِعْمَتَ اللّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ} (آل عمران۔ 103) ترجمہ: اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ مت ڈالو، اور اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اور تم اس کی نعمت کے باعث آپس میں بھائی بھائی ہو گئے، اور تم (دوزخ کی) آگ کے گڑھے کے کنارے پر (پہنچ چکے) تھے پھر اس نے تمہیں اس گڑھے سے بچا لیا، یوں ہی اللہ تمہارے لئے اپنی نشانیاں کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔ ان آیات قرآنی سے معلوم ہوا سارے صحابہ کرام بشمول مہاجرین و انصار اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی نصرت و مدد پر وہ متفق تھے، شریعت اور احکام کے نفاذ میں وہ متحد اور آپ ﷺ کے بہترین ساتھی تھے۔ اس راہ میں وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اور ہر حال میں نبی کریم ﷺ کی نصرت اور اسلام کے لیے جاں نثاری ان کا مقصد حیات بن چکا تھا۔ اسی لیے ایک سے زائد مرتبہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین و انصار کی تعریف کی ہے، انہیں جنت کا وعدہ دیا ہے اور اپنی رضامندی کا اعلان بھی فرمایا ہے رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ }المجادلہ۔ 22)؛ (ترجمہ: اللہ اُن سے راضی ہو گیا ہے اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے ہیں، یہی اللہ (والوں) کی جماعت ہے، یاد رکھو! بیشک اللہ (والوں) کی جماعت ہی مراد پانے والی ہے۔) صحابہ کرام کے بارے میں امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحابہ کرام کے فضائل سے وہ شخص واقف ہوسکتا ہے جو عہد نبوی ﷺ میں ان کا تعامل اور اس کے بعد کی زندگی پر گہری نظر ڈالے۔ صحابہ کرام وہ عظیم شخصیات تھے جو ایمان، کفار سے جہاد و قتال، اشاعت دین، قیام دین، اعلائے شان احکامات الٰہی و نبوی، فرائض اور سنن نبوی کی تعلیم و تعلم میں ایک دوسرے سے سبقت لینے کی کوشش کرتے تھے۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم أجمعین نہ ہوتے تو ہرگز دین کا کوئی اصل یا فرع ہم تک نہیں پہنچ سکتا۔ ہرگز نبی کریم ﷺ کی کوئی حدیث یا سنت سے ہم واقف نہیں ہوسکتے تھے۔ اس لیے جو شخص صحابہ کے حوالے سے طعنہ زنی و گستاخی سے کام لے وہ پوری طرح دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے چونکہ جو شخص صحابہ کو گالیاں دے کر طعنہ زنی کرتا ہے وہ اس طرح اپنے عقیدے کا اظہار کرتا ہے کہ صحابہ کرام ہی غلط راستے پر تھے اور قرآن پاک اور احادیث میں ان کے جتنے اوصاف مذکور ہیں یہ لوگ ان تعریفوں کی تردید کرتے ہیں۔ یہ قرآن و حدیث کا انکار ہے۔ جو شخص صحابہ پر طعن کرتا ہے دراصل وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتا ہے۔ نصوص شریعت کے ناقلین کی توہین و گستاخی درحقیقت نصوص (قرآن وسنت) کی توہین ہے۔ یہ اہم بات ہر اس شخص کے لیے قابل فہم و درک ہے جو تدبر کا اہل ہو، نفاق و کفر اور الحاد سے دور ہو۔ (الکبائر ص۔ ۲۷۴) فُضیل بن عیاض رحمہ اللہ اس بارے میں فرماتے ہیں: صحابہ سے محبت ذخیرہ آخرت ہے۔ اللہ کی رحمت ہو اس شخص پر جو صحابہ رسول ﷺ پر سلام و درود بھیجے۔ عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کسی شخص میں یہ دو صفات ہوں مجھے امید ہے کہ وہ قیامت کے عذاب سے محفوظ رہے گا، ایک سچائی اور دوسرا اصحاب رسول سے محبت۔ (الشّریعۃ 4)

صحابہ کرام وہ عظیم شخصیات تھے جو ایمان، کفار سے جہاد و قتال، اشاعت دین، قیام دین، اعلائے شان احکامات الٰہی و نبوی، فرائض اور سنن نبوی کی تعلیم و تعلم میں ایک دوسرے سے سبقت لینے کی کوشش کرتے تھے



کاروباری اخلاقیات اور شرعی تعلیمات

مفتی ارشاد احمد اعجاز

اسلام کا تصورِ اخلاقیات ''عدل و احسان'' دونوں کے تصور پر مشتمل ہے

مغربی نظام حیات میں جب مذہب کا عمل دخل بالکل ختم کیا گیا تو اس کے نتیجے میں اخلاقیات (Ethics) کی بنیادیں بھی ہل گئیں، کیونکہ اخلاقیات کا جو تصور دین میں ہوتا ہے، وہ محض عقل کی بنیاد پر بنے ہوئے نظام میں نہیں ہوتا اس وقت بھی اگر ہم مسلمانوں میں اخلاقی معیار گرنے کے اسباب کا جائزہ لیں تو اس کا بنیادی سبب اللہ تعالیٰ کے آگے جواب دہی کا تصور کمزور پڑنا ہے اس وقت ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے زیرِ کفالت لوگوں میں تصور آخرت کو بیدار کرے، تاکہ مسلمانوں کا معیارِ اخلاقیات بلند تر ہوں کاروباری اخلاقیات یا ''بزنس ایتھکس'' کا تصور آج کے معاشی نظام ایک ناگزیر حصہ بن چکا ہے۔ دنیا میں کاروبار اور انتظامی امور کی تعلیم دینے والے اداروں (Business and Management Institutions) نے اس کو باقاعدہ نصاب میں شامل کر کے اس مضمون کو کافی وسعت دی ہے۔ نیز معاشی سرگرمیوں (Economic activities) کے ساتھ ساتھ معاشرتی سرگرمیوں (Social Activities) کے بہت سے پہلوؤں کو اس میں داخل کر دیا ہے۔ ان تمام تر کوششوں کا مقصد بظاہر ایسا متوازن نظام کو قائم کرنا نظر آتا ہے جو بنی نوع انسان کے لیے زیادہ مفید ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ایسی کوششیں اچھی ہیں اور ان کے مقاصد بھی پسندیدہ ہیں، لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ اس بات کو جاننے کی کوشش کی جائے کہ وہ کیا اسباب ہیں جن کی وجہ سے آج دنیا کو کاروباری اخلاقیات کا تصور اس شدت کے ساتھ اپنانا پڑا کہ اب بڑی کمپنیاں کسی نہ کسی قسم کی معاشرتی خدمت کو اپنی کاروباری ذمہ داری سمجھتی ہیں اور ''کاروباری معاشرتی ذمہ داریوں'' (Corpprata social responsibility) کے عنوان کے تحت اس کو بڑے فخر سے اپنی سالانہ رپورٹوں کا حصہ بنا کر شائع کرتی ہیں۔ دنیا میں جب سے مذہب کو معاشی اور معاشرتی معاملات سے دور کرنے کا رجحان شروع ہوا، جیسا کہ ہمیں بطور خاص مغربی دنیا میں یہ نظر آتا ہے، اور مذہبی تعلیمات (Religious teachings) کو بالکل پسِ پشت ڈالنا اور ان کو انسان کی نجی زندگی (Private) تک محدود کرنا رواج بن گیا تو اس طرزِ عمل کا ایک بہت بڑا نقصان یہ سامنے آیا کہ معاشرے (Society) کو ایسے ماخذِ حکمت (Source of wisdom) سے محروم ہونا پڑا جو معاشرے کی فکری بنیاد (Ideological base of society) کو بناتا ہے اور معاشرے کو چند ایسے مضبوط نظریے اور رہنما اصول (Absolute ideologies and rules) دیتا ہے جو اس کے لیے مشعلِ راہ بنے رہتے ہیں اور ان اصولوں کو معاشرہ مقدس درجہ (Sacred status) دیتا ہے اور ان کو قطعیت (Definitiveness) کا ایک درجہ حاصل ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کو محض عقل کی بنیاد پر نہ تو رد کیا جاتا اور نہ ہی اس میں کوئی تبدیلی کی جاتی ہے۔ یہ رہنما اصول پورے معاشرے میں قبولیتِ عامہ (General acceptability) کی خصوصیت رکھتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کی بنیاد پر لایا جانے والا کوئی بھی نظام آسانی سے قابلِ قبول اور قابلِ عمل ہوتا

ہے۔اسلام میں اخلاقیات کا بڑا واضح تصور موجود ہے اور مسلمان معاشرہ (Muslim Society) فرائض اور واجبات (Duties) کے ساتھ اخلاقیات کی بنیاد اسلام کے تصور احسان سے مأخوذ ہے۔اللہ تعالی کا قرآن کریم میں ارشاد ہے:''ان اللہ یامر بالعدل والاحسان'' بے شک اللہ تعالی حکم دیتا ہے عدل واحسان کا۔اس آیت کریمہ میں اسلام کے اخلاقیات کے فلسفے کی بنیاد بیان ہوئی ہے۔وہ یہ کہ انسان اللہ تعالی کے احکامات کے تحت عدل کا پابند ہے اور عدل کا مطلب ہے کہ معاملات کو کم ازکم اتنے درجے پر انجام دینا، جس سے کم کرنے کی شرعاً گنجائش نہ ہو۔مثلاً: کسی شخص کے ساتھ دوسرے نے بدسلوکی کی ہو تو قرآن اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ جس کے ساتھ بدسلوکی کی گئی ہو وہ دوسرے سے اتنا بدلہ لے لے جتنی اس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے، اس سے زیادہ بدلہ لینے کی اس کو اجازت نہیں ہے، تو ظلم کا بدلہ لینے کی اجازت عدل ہے۔تو عدل کا تصور یہ ہے کہ کسی بھی معاملے میں شریعت کی طرف سے متعین کیے گئے دائرہ کار میں رہتے ہوئے کام کا انجام دینا، خواہ وہ کام مالی معاملات میں سے ہو، سماجی معاملات میں سے ہو یا عبادات میں سے ہو۔عدل سے ایک درجہ آگے ''احسان'' کا تصور ہے۔احسان کے بارے میں ایک بات یہ ذہن نشین رکھنی ضروری ہے کہ اردو میں لفظِ احسان جن معنوں میں بولا جاتا ہے، وہ شریعت کی اصطلاح میں بولے جانے والے لفظِ احسان کا صرف ایک پہلو ہے۔روزمرہ کی بول چال میں احسان اس غیر معمولی اخلاق یا مالی

شرعی اصطلاح میں احسان کا مطلب ہے کہ کسی شخص کا اپنے اوپر عائد ذمہ داریوں میں سے بڑھ کر کسی کام کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دینا

معاونت کو کہا جاتا ہے جو ایک شخص دوسرے کے ساتھ کرتا ہے، جبکہ شرعی اصطلاح میں احسان کا مطلب ہے کہ کسی شخص کا اپنے اوپر عائد ذمہ داریوں میں سے بڑھ کر کسی کام کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دینا۔زکوٰۃ کی سالانہ مقدار سے بڑھ کر اللہ کی راہ میں خرچ کرنا، کسی کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف کو اللہ کے لیے معاف کر دینا، معاشی معاملات میں دوسروں کے حق کی ادائیگی کو اپنے حق لینے فوقیت دینا، اس طرح کے تمام معاملات احسان کے دائرے میں آتے ہیں۔اسلام کا تصورِ اخلاقیات ''عدل واحسان'' دونوں کے تصور پر مشتمل ہے۔اخلاقیات کا کم ازکم درجہ یہ ہے کہ انسان اپنے اوپر لازم ذمہ داریاں صحیح طرح انجام دے اور ان میں کوئی کسر نہ رہنے دے۔یہ رویہ عدل کے دائرہ کار میں آتا ہے اور اس کے مقابلے میں اپنی ذمہ داریوں سے بڑھ کر کوئی کام انجام دینا احسان کے دائرہ میں آتا ہے، چنانچہ فرائض کی تکمیل کے بعد اخلاقیات کا درجہ شروع ہوتا ہے۔اگر کوئی شخص فرائض کو چھوڑ کر دوسری نیکیاں کرتا ہے تو اسلام کے تصورِ احسان کے تحت وہ اخلاقیات کی تکمیل صحیح طریقے سے نہیں کر رہا ہے۔اسی تصور کے تحت اسلام معاشرے کے ہر فرد سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ فرائض یعنی ذمہ داریوں کو پہلی ترجیح دے اور حسنِ اخلاق کی بنیاد پر کیے جانے والے دیگر کاموں کو ان کے بعد انجام دے، چنانچہ فرائض میں کوتاہی کر کے اخلاقیات کو انجام دینے والے کا شمار شریعت میں افراط وتفریط کرنے والوں میں ہوتا ہے۔یوں وہ لوگ جو اصل کام کو پورا نہ کریں اور وہ کام جو ان پر لازم نہیں، اس کو بہت تن دہی سے انجام دیں۔

مغربی نظام حیات میں جب مذہب کا عمل دخل بالکل ختم کیا گیا تو اس کے نتیجے میں اخلاقیات (Ethics) کی بنیادیں بھی ہل گئیں، کیونکہ اخلاقیات کا جو تصور دین میں ہوتا ہے، وہ محض عقل کی بنیاد پر بنے ہوئے نظام میں نہیں ہوتا۔اس وجہ سے ان کے ہاں رائج الوقت قانون پر عمل کرنا ہی ضروری سمجھا گیا۔اس کے مقابلے میں دین میں احسان کا تصور انسان کو ہر معاملے میں خوش اسلوبی اور عمدگی کی تعلیم دیتا ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ جن کا تصورِ آخرت یعنی آخرت میں اللہ تعالی کے ہاں جواب دہی کا تصور انسان کو راہِ راست پر رکھنے میں جتنا معاون اور مددگار ہے اتنی مدد کوئی اور چیز نہیں کرتی ہے۔اس وقت بھی اگر ہم مسلمانوں میں اخلاقی معیار گرنے کے اسباب کا جائزہ لیں تو اس کا بنیادی سبب اللہ تعالیٰ کے آگے جواب دہی کا تصور کمزور پڑنا ہے۔اس وقت ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے زیرِ کفالت لوگوں میں تصورِ آخرت کو بیدار کرے، تاکہ مسلمانوں کا معیارِ اخلاقیات بلند تر ہو اور اس مقام پر پہنچ سکے جس میں لوگ ایک دوسرے کے ساتھ کاروباری معاملات کرتے وقت دوسرے کے حق کی ادائیگی کی زیادہ فکر کریں۔

نوٹ۔۔۔۔۔:(یہ مضمون ایک معاصر ہفت روزہ مجلّے سے لیا گیا ہے)

محمد انور

حسد معاشرے کا رستا ہوا ناسور

شیطان اور اس کے شر سے ہمیشہ اللہ کی پناہ طلب کی جائے، اسی طرح حاسدوں کے حسد سے بھی!

دشمنوں کی دشمنی پر صبر کرے، اس لئے کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے، دشمن کو نقصان پہنچانے کا ارادہ نہ کرے!

اپنے محسن کے ساتھ اس کے احسان کی وجہ سے اچھا سلوک کرو، رہا برائی کرنے والا تو اس کی برائی ہی اسے ختم کرنے کے لیے کافی ہے!

مسلم معاشرہ آج جن جن روحانی بیماریوں کا شکار ہے اس میں ایک اہم ترین حسد کی بیماری ہے، یہ ایسی بری عادت ہے جس سے انسان کا جسم تو متاثر ہوتا ہی ہے، اس سے کہیں زیادہ اس کا دین اور ایمان برباد ہوتا ہے۔ حسد سے عموماً حاسد کے رشتہ دار، دوست واحباب اور ملنے جلنے والے متاثر ہوتے ہیں، حسد معاشرے میں بغض، نفرت، عداوت کے بیج بوتا ہے، جس سے نظر بد، تعویذ، گنڈا، جادوٹونا اور اس جیسے دیگر مکروہ اعمال کرنے کرانے کا ایک دروازہ کھل جاتا ہے، حسد سے محبت، شفقت، صلہ رحمی اور ایثار وقربانی کی بیخ کنی ہوتی ہے، حسد عظیم برائیوں کا سرچشمہ اور تباہ کن نتائج کی کنجی ہے، حسد دل میں کینہ اور عداوت پیدا کرتا ہے، معاشرے کو ڈھانے کے لیے کُدال ہے، کمینہ پن اور بد اخلاقی کی علامت ہے۔ اسی لیے تمام مذاہب نے حسد کی مذمت کی ہے اور اسے انسانیت کے لئے زہر ہلاہل قرار دیا ہے۔

حسد کی تعریف:

حسد کے لغوی معنی کھجلانے اور کھوکھلا کرنے کے ہیں، حسد کو حسد اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ حاسد کے دل کو اندر سے کھوکھلا بنا دیتا ہے۔ حسد کا اصطلاحی معنی صاحب نعمت سے نعمتوں کے زوال کی تمنا کرنا ہے۔ امام جرجانیؒ فرماتے ہیں: حسد صاحب نعمت سے نعمتوں کے زوال کی چاہت کرنا ہے اور حاسد تمنا کرتا ہے کہ وہ نعمتیں اس سے چھن کر مجھے مل جائیں۔

حسد کی مذمت احادیث میں:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی احادیث مبارکہ میں اس مذموم عادت سے بچنے کی وصیت فرمائی ہے (۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے، اور صدقہ گناہ کو ایسے مٹا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے"۔ (صحیح، ابن ماجہ)

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم گمان سے بچو، اس لیے کہ گمان سب سے جھوٹی بات ہے، تم آپس میں حسد نہ کیا کرو، جاسوسی نہ کیا کرو، بغض نہ رکھا کرو، بے رُخی نہ برتا کرو، دام بڑھانے کے لئے بولی نہ لگایا کرو، بلکہ اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن کر رہو"۔ (متفق علیہ)

(3) حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میں گذشتہ اقوام کی بیماریاں در آئیں گی، جن میں سے حسد اور بغض بھی ہے اور یہ مونڈھ دینے والی ہوں گی، یہ بال نہیں بلکہ دین کا صفایا کر دینے والی ہیں....."۔ (ترمذی)

نظر بد بھی حسد کی ایک قسم:

علماء کرام نے نظر بد کو بھی حسد کی ہی ایک قسم قرار دیا ہے، نظر بد لگانے والا حاسد ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ جس سے حسد کرتا ہے اسے بغض، یا پسندیدگی کی نظر

سے دیکھتا ہے، اور دیکھتے ہوئے ماشاء اللہ، یا الحمدللہ جیسے الفاظ نہیں کہتا، جس سے وہ شخص مصیبت میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اور یہ بات مسند ابونعیم سے ثابت ہے کہ نظر بد ایک اچھے بھلے جوان کو قبر میں پہنچا دیتی ہے اور صحت مند اونٹ کو ہانڈی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ علیہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نظر کا لگنا حق ہے، اگر کوئی چیز تقدیر سے پہلے اثر انداز ہوتی تو وہ نظر ہوتی، اس لیے جب تم میں سے کسی شخص سے غسل کرنے کے لیے کہا جائے تو وہ غسل کرے"۔ (متفق علیہ) یعنی اگر کسی شخص کے متعلق یہ پتہ چل جائے کہ اسے فلاں شخص کی نظر لگی ہے تو اس سے کسی ٹب میں وضو یا غسل کروا کر، وہ پانی متاثر شخص پر اس کی پچھلی جانب سے پھینک دیا جائے تو اللہ تعالیٰ اسے شفا عطا فرماتے ہیں۔ اگر کسی شخص سے اس کی نظر کی وجہ سے وضو یا غسل کرنے کے لیے کہا جائے تو اسے کرنا چاہئے۔

حسد سے بچنے کی تدابیر:

علماء کرام نے حاسدوں کے حسد سے بچنے کے لیے دس تدابیر اختیار کرنے کا مشورہ دیا ہے، اور وہ یہ ہیں (۱) شیطان اور اس کے شر سے ہمیشہ اللہ کی پناہ طلب کی جائے، اسی طرح حاسدوں کے حسد سے بھی۔ اس کے لیے صبح اور شام کے اذکار تیر بہدف نسخہ ہیں۔ روزانہ صبح وشام آیۃ الکرسی کی تلاوت کی جائے اور رات میں سوتے وقت معوذتین (قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس) تین تین مرتبہ پڑھ کر اپنی دونوں ہتھیلیوں پر دم کرکے سارے جسم پر ہاتھ پھیر لے۔ (۲) اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے، کیونکہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کی حفاظت فرماتا ہے اور اسے کسی دوسرے کے حوالے نہیں کرتا (۳) دشمنوں کی دشمنی پر صبر کرے، اس لئے کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے، دشمن کو نقصان پہنچانے کا ارادہ نہ کرے، اس کا صبر ہی اس کے دشمن پر سب سے بڑی فتح ہے (۴) اللہ کی ذات پر توکل اور بھروسہ کرے، کیونکہ جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اس کے لئے کافی ہے (۵) دل کو ان خیالات سے خالی کرلے کہ کوئی مجھ سے حسد یا دشمنی کررہا ہے، کیونکہ بسا اوقات انسان کو اس کا یہی احساس، کہ میرا کوئی دشمن یا حاسد ہے، نقصان پہنچاتا ہے (۶) اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کی پابندی، دل میں اس کی محبت اور اسی کی جانب انابت اور رجوع اور اسی کی رضا کو اپنی زندگی کا مقصد بنالینا۔ یہ وہ امور ہیں جن سے بندہ اللہ کا مقرب بن جاتا ہے۔ (۷) اللہ کی جناب میں توبہ واستغفار۔ کیونکہ اللہ کا فرمان ہے: "تمہیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے گناہوں کی وجہ سے ہی ہے،،۔ (شوریٰ: ۳۰) (۸) صدقہ وخیرات کرنا۔ اس سے بھی بلائیں اور مصیبتیں دور ہوتی ہیں اور یہ حاسدوں کے حسد اور نظر بد سے بچنے کا مجرب نسخہ ہے۔ (۹) حاسدوں کے ساتھ احسان کرنا۔ اس سے بھی آدمی حاسدوں کے شر سے بچ سکتا ہے، ہوسکتا ہے کہ حاسد کو اللہ تعالیٰ حسد چھوڑنے کی توفیق دے دے اور وہ بجائے دشمنی کے دوستی اور بھلائی کرنے لگ جائے۔ (۱۰) انسان توحید پر قائم رہے اور یہ جان لے کہ اللہ کے سوا کسی میں بھی نفع یا نقصان پہنچانے کی طاقت نہیں ہے، اگر فائدہ ہوا تو اسی وجہ سے ہوا کہ یہ اللہ نے میرے لیے لکھ رکھا تھا، اگر نقصان پہنچتا ہے تو بھی ایک مسلمان اس بات پر ایمان رکھے کہ مجھے جو بھی تکلیف پہنچی ہے اسی لیے پہنچی ہے کہ اللہ نے میرے لیے لکھ دیا تھا۔ یہ دس باتیں اور اسباب ہیں جن سے انسان حاسدوں کے حسد سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

حاسد کا عبرت ناک انجام:

بکر بن عبداللہ کہتے ہیں: "ایک نیک شخص کسی بادشاہ کا مقرب اور وفادار تھا، وہ بادشاہ کے جوتوں کا انتظام کرتا تھا، اور بادشاہ بھی اس کی نیکوکاری اور پرہیز گاری کی وجہ سے اس سے محبت کرتا تھا، وہ جب بھی بادشاہ کی محفل میں آتا تو اسے عموماً یہ ضرب المثل بیان کرکے نصیحت کرتا: "اپنے محسن کے ساتھ اس کے احسان کی وجہ سے اچھا سلوک کرو، رہا برائی کرنے والا تو اس کی برائی ہی اسے ختم کرنے کے لیے کافی ہے"۔ درباریوں میں سے ایک شخص کو اس سے حسد تھا، اس کی پوری خواہش یہی تھی کہ بادشاہ کو اس سے بدظن کرادیا جائے تاکہ یہ دربار کا مقرب نہ رہے۔ اس نے اس کے لیے بے شمار تدابیر اختیار کیں لیکن ہر ایک میں ناکام رہا۔ ایک دن موقع پاکر اس نے بادشاہ کے کان بھرے کہ: "یہ شخص جو آپ کا نہایت مقرب ہے حقیقت میں آپ کا بدخواہ ہے، اس نے لوگوں کے درمیان آپ کے خلاف کئی بات مشہور کررکھی ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کے منہ سے نہایت گندی بدبو آتی ہے"۔ بادشاہ نے پوچھا: تمہارے اس الزام کا ثبوت کیا ہے؟ حاسد بولا: آپ اس شخص کو شام کے وقت بلوائیں اور اپنے قریب کریں گے تو آپ خود ہی دیکھ لیں گے کہ یہ شخص اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لے گا، تاکہ آپ کے منہ کی بدبو نہ سونگھ سکے"۔ بادشاہ نے کہا: "تم جاؤ ہم خود اس کی تصدیق کرلیں گے"۔ وہ

شخص وہاں سے اٹھا اور سیدھا اس آدمی کے پاس گیا اور اسے کھانے کی دعوت دی، کھانے میں جان بوجھ کر پیاز اور لہسن جیسی بودار چیزیں شامل کیا، اس بے چارے کو حاسد کی چال کا قطعی علم نہیں تھا، اس نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور پھر بادشاہ کے دربار میں گیا، بادشاہ نے اسے اپنے قریب آنے کو کہا، جب وہ قریب آیا تو اسے اور قریب آنے کے لیے کہا، جب وہ بادشاہ کے بہت زیادہ قریب ہوا تو اس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا تا کہ اس کے منہ کی بدبو بادشاہ کو تکلیف نہ پہنچائے۔ اب بادشاہ کا شک یقین میں بدل گیا، اس نے یقین کر لیا کہ یہ شخص واقعی میرا مخلص نہیں ہے تو اس نے قلم دوات منگوایا اور اپنے ہاتھ سے اپنے کسی عامل کے نام یہ فرمان تحریر کیا کہ :" یہ حامل رقعہ جب تمہارے پاس پہنچے تو اسے قتل کر کے اس کی کھال اتار کر اس میں بھس بھر کر میرے پاس روانہ کرنا"۔ بادشاہ کے متعلق مشہور تھا کہ جب بھی وہ کسی کو کوئی گرنقدر انعام یا عطیہ دیتا تو اس کا فرمان اپنے ہاتھ سے ہی لکھتا۔ یہ شخص جب فرمان لے کر دربار سے باہر نکلا تو حاسد اسے دروازے کے پاس ہی مل گیا، اس نے پوچھا: یہ کیا لے کر جا رہے ہو؟ اس آدمی نے جواب دیا کہ : بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے فرمان لکھا ہے۔ یہ سنتے ہی حاسد کی رال ٹپکنے لگی، اس نے سمجھا شاید بادشاہ نے اپنی عادت کے مطابق انعامی رقم لکھی ہوگی، اس نے نہایت ہی لجاجت سے عرض کیا کہ یہ شاہی فرمان مجھے دے دو۔ اس آدمی نے کہا: جاؤ اب یہ خط تمہارا ہے۔ حاسد خوشی بخوشی یہ فرمان لے کر اس عامل کے پاس گیا، تو خط پڑھتے ہی عامل نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اس شخص کو رسیوں سے جکڑ دو۔ اس نے کہا: میں انعام حاصل کرنے کے لیے آیا تھا ۔ عامل نے کہا: وہ بھی جلد ہی تمہیں مل جائے گا۔ پھر خط کے مضمون سے اس حاسد کو واقف کرایا تو وہ چیخنے لگا، کہ یہ فرمان بادشاہ نے میرے لیے نہیں بلکہ فلاں شخص کے لیے لکھا تھا، چاہیں تو بادشاہ سے مراجعہ کر لیں۔ عامل نے کہا : بادشاہ کے خط کا مراجعہ نہیں ہوتا، پھر اس کو قتل کر کے اس کی چمڑی ادھیڑ کر اس میں بھس بھر کر دوسرے دن بادشاہ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ دوسرے دن نیک آدمی بادشاہ کی خدمت میں پہنچا، اور اپنی عادت کے مطابق اسے نصیحت کی کہ:" اپنے محسن کے ساتھ اس کے احسان کی وجہ سے اچھا سلوک کرو، رہا برائی کرنے والا تو اس کی برائی ہی اسے ختم کرنے کے لیے کافی ہے"۔ بادشاہ نے اسے دیکھ کر پوچھا: کیا تم ابھی تک زندہ ہو؟ جب کہ میں نے کل تمہارے قتل کا فرمان لکھا تھا۔ اس نے ماجرا سنایا تو بادشاہ نے کہا: اس شخص نے تو مجھے بتایا تھا کہ تم میرے بارے میں کہتے ہو کہ میرے منہ سے بدبو آتی ہے۔ کیا سچ ہے؟ اس نے کہا: حاشا وکلا میں نے تو ایسی بات کبھی نہیں کی۔ بادشاہ نے کہا: اچھا بتاؤ کل جب میں نے تمہیں بلایا تھا تو تم نے اپنے منہ پر ہاتھ کیوں رکھ لیا تھا ؟ وہ کہنے لگا : بادشاہ سلامت! حقیقت تو یہ ہے کہ کل اس شخص نے مجھے کھانے کی دعوت دی، جس میں مجھے خوب لہسن وغیرہ کھلایا، میں نے ہاتھ اس لیے منہ پر رکھ لیا تھا کہ کہیں آپ کو اس کی ناگوار بو سے تکلیف نہ ہو۔ بادشاہ نے کہا: تم سچ کہتے تھے، تم اپنی ڈیوٹی پر واپس چلے جاؤ، رہا تمہارے ساتھ برائی کرنے والے کا معاملہ خود اپنی برائی کے انجام کو پہنچ چکا ہے

بقیہ: جبل استقامت

اور اس حملے کی برکت سے مزید ایک شہر مجاہدین قبضے میں آیا اور اللہ نے بہت سے غنائم عطا فرمائے (الحمدللہ)۔ افغانستان امریکہ سے ہاتھ بہت ولایتیں نکل چکی ہیں اور امریکہ خود اعتراف کرتا ہے کہ مجاہدین جب چاہتے ہیں جہاں چاہتے ہیں وہاں اپنے ہدف کو آسانی سے نشانہ بناتے ہیں۔ اے میری اُمت کے نوجوانو! ضرورت اس امر کی ہے آپ بھی اپنا فرض پہچانو اور امت کے روشن مستقبل اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے جہاد کے میدانوں نکل آئیں۔ آپ اسی اُمت سے ہیں جن کی ضرب سے روم، اندلس و فارس کے تخت کانپ اٹھے تھا۔ آپ ہی خالدؓ وضرارؓ کے جانشین ہیں، ایسا نہ ہو کہ بہت دیر ہوجائے ۔ امارت اسلامیہ اللہ کی زمین پر اللہ کے نظام کے لئے جہاد فی سبیل اللہ کر رہی ہے اور جلد ہی اللہ پاک شریعت کی وہ بہاریں دیکھیں گے جس کا وعدہ ہمارے رب نے ہم سے کیا، اگر ہم نہ دیکھ سکے تو ہمارے بعد یا اُن کے بعد والے۔ مجاہد کے لئے رب کا وعدہ یا تو وہ اُسے فتح نصیب فرماتے ہیں یا پھر شہادت کی موت جسے کے بعد جنتیں ہیں جن کے نیچے دودھ اور شہید کی نہریں بہ رہی ہیں۔ ہماری پیارے نبیؐ نے جہاد کو اپنی اُمت کی سیاحت فرمایا۔ اللہ پاک ہمیں ہر فتنوں سے محفوظ فرمائیں اور جلد از جلد اپنی راہ میں اپنے لئے شہادت کا وہ جام نصیب فرمائیں جس کے لئے حنظلہؓ نے اپنی دولہن چھوڑ دی اور جس کے لئے محسن اُمت شیخ اسامہ بن لادنؒ دنیا کی عیش چھوڑ کر کہساروں تشریف لے آئے (آمین)۔



تدوینِ قرآن مجید
ایک تحقیقی جائزہ

مولانا اشتیاق احمد

" قرآن مجید" اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے، جو آخری نبی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے، قیامت تک کوئی اور کتاب نازل نہ ہوگی، یہ زندگی کا وہی دستورِ کہن ہے جو ہمارے آبائے اولین کو ملا تھا، اس میں اصولاً اسی کا اعادہ اور عہد کی تجدید ہے، یہ خدائی عطیہ، ہمارا مشترکہ روحانی ترکہ ہے، جو منتقل ہوتا ہوا ہم تک پہنچا ہے، اسے دوسری آسمانی کتابوں کا آخری اور دائمی ایڈیشن بھی کہا جاسکتا ہے۔ ابتدائے نزول سے آج تک بلا کسی ادنیٰ تغیر وتبدل کے باقی ہے، اس میں سرِ مُو کوئی فرق نہیں آیا، ایک لمحہ کے لیے نہ تو قرآن مسلمانوں سے جدا ہوا اور نہ مسلمان قرآن سے جدا ہوئے، اس میں باطل کے در آنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے: ﴿لا یأتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه﴾ (حم سجدہ)

ترجمہ: قرآن مجید میں باطل نہ تو سامنے سے آسکتا ہے اور نہ ہی اس کے پیچھے سے۔

آسمانی کتابوں میں قرآن مجید ہی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ یہ قیامت تک اپنی اصل حالت پر رہے گا، خود اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، ایک جگہ بڑے زوردار انداز میں ارشاد فرمایا: ﴿انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون﴾ (حجر:9)

ترجمہ: ہم نے ہی ذکر (قرآن مجید) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔

صرف الفاظ نہیں، بلکہ معانی ومطالب کی تشریح وتوضیح کی ذمہ داری بھی خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے، ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿ثم ان علینا بیانه﴾

ترجمہ: پھر ہم پر ہی اس کا بیان (بھی) ہے۔

قرآن مجید کا نزول ضرورت وحاجت کے مطابق تھوڑا تھوڑا ہوتا رہا، کبھی ایک آیت، کبھی چند آیتیں نازل ہوتی رہیں، نزول کی ترتیب موجودہ ترتیب سے بالکل الگ تھی، یہ سلسلہ پورے عہد نبوی کو محیط رہا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے آخری لمحات تک جاری رہا، اس لیے آپ ﷺ کے سامنے آج کی طرح کتابی شکل میں منصۂ شہود پر آنا مشکل، بلکہ ناممکن تھا، ہاں! یہ بات ضروری ہے کہ ہر آیت کے نازل ہوتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکھوا لیتے تھے اور زمانہ کے لحاظ سے نہایت ہی پائیدار چیز پر لکھواتے تھے، چنانچہ پورا قرآن مجید بلا کسی کم وکاست کے لکھا ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارکہ میں موجود تھا، اس میں نہ تو کوئی آیت لکھنے سے رہ گئی تھی اور نہ ہی کسی کی ترتیب میں کوئی کمی تھی، البتہ سب سورتیں الگ الگ تھیں اور متعدد چیزوں پر لکھی ہوئی تھیں، کتابی شکل میں جلد سازی اور شیرازہ بندی نہیں ہوئی تھی۔" قد کان القرآن کله مکتوباً فی عهده صلی الله علیه وسلم، لکن غیر مجموع فی موضع واحد" (الکتابی، ج:2، ص:384، بحوالہ تدوینِ قرآن ص:43)

ترجمہ: پورا قرآن مجید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لکھا ہوا تھا، لیکن ایک جگہ جمع نہیں تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کتابی شکل میں جمع کرایا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس کی محقق نقلیں تیار کرکے ہر طرف پھیلایا، بلکہ پوری امت کو اس پر جمع کیا، آج تک قرآن مجید اسی کے مطابق موجود ہے۔

حفاظتِ قرآن مجید کے طریقے

ابتدائے نزولِ سے قرآن مجید کی حفاظت جس طرح

"لکھ کر" ہوئی ہے، اس سے کہیں زیادہ "حفظ" کے ذریعہ ہوئی ہے، سینہ بہ سینہ حفظ کی خصوصیت صرف اسی آخری کتاب الٰہی کو نصیب ہوئی، تورات، انجیل ، زبور اور دوسری آسمانی کتابوں اور صحیفوں کی حفاظت صرف سفینہ میں ہوئی، اس لیے وہ تغیر وتبدل اور دوسرے حوادث کا شکار ہوگئیں، قرآن مجید کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرماتے ہوئے، ارشاد فرمایا: "ومنزل عليك كتاباً لا يغسله الماء" (صحیح مسلم)

ترجمہ: میں آپ پر ایسی کتاب نازل کرنے والا ہوں جس کو پانی نہیں دھو سکے گا۔

غرض یہ کہ قرآن کی حفاظت شروع شروع میں سب سے زیادہ حافظہ کے ذریعہ ہوئی اور حفاظت کا سب سے اہم ذریعہ یہی ہے، اسی وجہ سے آج تک یہ کتاب مقدس اپنی اصل حالت پر باقی ہے، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے خداداد بے نظیر حافظے کو جاہلیت کے اشعار، انسابِ عرب، حتی کے اونٹوں اور گھوڑوں کی نسلوں کے حفظ سے ہٹا کر ، آیاتِ الٰہی کے حفظ پر لگا دیا، عرب کے ضرب المثل حافظے نے چند ہی دنوں میں ہزاروں حفاظِ آیاتِ الٰہی کو معرض شہود میں لا کھڑا کر دیا، حفاظ کی کثرت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ: صرف "جنگ یمامہ" میں شہید ہونے والے حافظوں کی تعداد سات سو تھی، بخاری شریف کے حاشیہ میں ہے: "وكان عدة من القراء سبع مائة"۔ (2/745) سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبریل علیہ السلام جب قرآن مجید پڑھ کر سناتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی دہرانے لگتے تھے، تاکہ خوب پختہ ہو جائے، اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿لا تحرك به لسانك لتعجل به ، إن علينا جمعه وقرآنه﴾ (قیامہ:17)

ترجمہ: آپ قرآن مجید کو جلدی جلدی یاد کر لینے کی غرض سے، اپنی زبان کو حرکت نہ دیجیے، (اس لیے کہ) قرآن مجید کو جمع کرنے اور اس کو پڑھوانے کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے۔

کتابت کی اہتمام

زبانی یاد کرنے اور کرانے کے ساتھ ہی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیات کی حفاظت کے لیے کتابت (لکھانے) کا بھی خوب اہتمام فرمایا، نزول کے ساتھ ہی بلا تاخیر آیات قلم بند کرا دیتے تھے: "فكان اذ انزل عليه الشيء دعا بعض من كان يكتب، فيقول: ضعوا هذا فى السورة التى يذكر فيها كذا وكذا" (مختصر كنز ص: 48، بحواله تدوين قرآن ص:27)

ترجمہ: چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی، تو (بلا تاخیر) جو لکھنا جانتے تھے، ان میں سے کسی کو بلاتے اور ارشاد فرماتے کہ: اس آیت کو اس سورت میں لکھو جس میں فلاں فلاں آیتیں ہیں۔

اور مجمع الزوائد میں یہاں تک ہے:

"كان جبريل عليه السلام يملي على النبي صلى الله عليه وسلم"۔ (7/157)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبریل علیہ السلام قرآن مجید لکھواتے تھے۔

مسند احمد کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: " آتانى جبريل فأمرنى" (کنز العمال:2/40)

یعنی حضرت جبریل علیہ السلام نے آکر مجھے (فلاں آیت کو فلاں جگہ رکھنے کا) حکم دیا۔

غرض یہ کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم آیات لکھانے کا بھی خوب اہتمام فرماتے تھے اور لکھانے کے بعد سن بھی لیتے تھے، اگر فروگذاشت ہوتی تو اس کی اصلاح فرما دیتے تھے: "فإن كان فيه سقط أقامه" (مجمع الزوائد:1/60)

پھر یہ لکھی ہوئی آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاس محفوظ فرما لیتے تھے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی آپ ﷺ کے پاس جا کر لکھتے اور آپ ﷺ کو سناتے تھے، اس طرح بہت سے صحابہ کرامؓ کے پاس سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھوائی ہوئی آیات موجود تھیں، بعض کے پاس پورا پورا قرآن مجید لکھا ہوا تھا۔

سامانِ کتابت

نزولِ قرآن مجید کے زمانہ میں ایجادات ومصنوعات کی کمی ضرور تھی، جس طرح آج کاغذ، قلم اور دوات کی بے شمار قسمیں دریافت ہیں، اس زمانہ میں اتنی ہر گز نہ تھیں، لیکن ایسا بھی نہیں کہ اس وقت کاغذ اور کتابیں دریافت نہ تھیں، یمن، روم اور فارس میں کتب خانے بھی تھے، یہود ونصاریٰ کے پاس کتابوں کا ذخیرہ موجود تھا، اس زمانے میں "کاغذ" وغیرہ کی صنعتیں بھی تھیں، لیکن بڑے پیمانے پر نہ ہونے کی وجہ سے کاغذ وغیرہ ہر جگہ دستیاب نہ تھے، اس لیے لکھنے کے لیے جو چیز بھی قابل اور پائدار سمجھ میں آتی اس پر لکھ لیا جاتا تھا۔

(التبیان فی علوم القرآن، ص:49)

قرآن مجید کی کتابت کے لیے بھی اس وقت کی ایسی پائدار چیزیں استعمال کی گئیں، جن میں حوادث وآفات کے مقابلے کی صلاحیت نسبتاً زیادہ تھی، تاکہ مدتِ دراز تک محفوظ رکھا جاسکے۔

(تدوین قرآن ص:31)

حافظ ابن حجرؒ کی تحقیق کے مطابق کتابتِ قرآن میں درج ذیل چیزیں استعمال کی گئیں:

(الف) زیادہ تر پتھروں کی چوڑی اور پتلی سلوں (لخاف) کو استعمال کیا گیا، اسے ہم سلیٹ کہہ سکتے ہیں۔

(ب) اونٹوں کے مونڈھوں کی چوڑی گول ہڈیوں (کتف) پر بھی لکھا گیا، مونڈھوں کی ہڈیوں کو نہایت اچھی طرح گول تراش کر تیار کیا جاتا تھا۔

(ج) چمڑوں کے کافی باریک پارچوں (رقاع) پر بھی قرآن مجید لکھا جاتا تھا، یہ ٹکڑے نہایت باریک ہوتے تھے اور لکھنے کے لیے ہی تیار کیے جاتے تھے اور اس کی بڑی افراط تھی۔

(د) بانس کے ٹکڑوں پر بھی آیات لکھی جاتی تھیں۔

(ھ) درخت کے چوڑے اور صاف پتے بھی کتابت کے لیے استعمال ہوتے تھے۔

(و) کھجور کی شاخوں کی چوڑی جڑوں (عسیب) اور کھجور کے جڑے ہوئے پتوں کو کھول کر ان کی اندرونی جانب بھی آیات کی کتابت ہوتی تھی۔

(ز) محدثین نے کاغذ پر بھی کتابت قرآن کا ذکر کیا ہے (فتح الباری:17/9)

سورتوں اور آیتوں کی ترتیب

پوری امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن مجید میں سورتوں اور آیتوں کی ترتیب توقیفی ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پورا قرآن مجید مرتب طور پر لکھوایا، آج بھی اسی ترتیب سے قرآن مجید لکھا اور پڑھا جارہا ہے اور قیامت تک اسی طرح رہے گا۔

پورا قرآن مجید بائیس سال، پانچ ماہ، چودہ دن میں نازل ہوا۔ (مناہل العرفان ص:43)

حسب ضرورت کبھی ایک آیت کبھی چند آیتیں اور کبھی پوری سورہ کی شکل میں آیات نازل ہوتی رہیں اور ساتھ ہی یہ بھی حکم ہوتا کہ اس کو فلاں سورہ کے فلاں مقام پر رکھ دیجیے، چناں چہ کاتبین وحی کو بلا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: "ضعوھا فی موضع کذا" (التبیان فی علوم القرآن، ص: 94، فتح الباری: 7/29)

ترجمہ: اس کو فلاں مقام پر لکھو!

عہد نبوی میں قرآن مجید کے نسخے

جیسا کہ اوپر گزرا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ وحی کے ساتھ ہی آیات لکھوا لیا کرتے تھے اور لکھانے کے ساتھ سن بھی لیتے تھے، پھر اسے اپنے پاس محفوظ فرما لیتے تھے، اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پورا قرآن مجید لکھی ہوئی شکل میں بھی موجود تھا، لیکن ایک جلد میں مجلد نہ تھا، مختلف چیزوں پر لکھا ہوا تھا۔

صحابہ کرامؓ میں جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے، وہ خدمتِ نبوی میں پہنچ کر آیات لکھ لیتے تھے، جب کسی سورت میں آیت کا اضافہ ہوتا تو معلوم کرکے مرتب فرما لیتے تھے، اس طرح بہت سے صحابۂ کرامؓ کے پاس سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مصدقہ نسخہ قرآن موجود تھا، بعض کے پاس پورا قرآن بھی تھا اور بعض کے پاس چند سورتیں اور چند آیتیں تھیں، لکھنے لکھانے کا سلسلہ بالکل ابتدا سے کثرت سے جاری تھا، اس کی شہادت درج ذیل روایتوں سے ملتی ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے والی روایت میں ہے کہ: ان کی بہن فاطمہ اور بہنوئی سعید بن زید رضی اللہ عنہما ان سے پہلے ہی مسلمان ہوچکے تھے، وہ حضرت خبابؓ بن ارت سے قرآن پڑھ رہے تھے، جب حضرت عمرؓ نہایت غضب ناک حالت میں ان کے پاس پہنچے تو ان کے سامنے ایک صحیفہ تھا، جس کو انہوں نے چھپا دیا تھا، اس میں سورہ طہٰ کی آیات لکھی ہوئی تھیں۔

(سنن دارقطنی: 123/1، باب نہی المحدث عن مس القرآن، دارنشر، لاہور)

امام بخاری علیہ الرحمہ نے "کتاب الجہاد" میں ایک روایت نقل کی ہے، جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصاحف (لکھا ہوا قرآن مجید) لے کر دشمنوں کی زمین میں جانے سے منع فرما دیا تھا۔ (صحیح بخاری: 419/1)

حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے مشورہ سے جب قرآن مجید کے اجماعی نسخہ کی کتابت کا وقت آیا تو اس وقت حضرت زید بن ثابتؓ کو پابند کیا گیا تھا کہ جو کوئی بھی لکھی ہوئی آیت لے کر آئے، اس سے دو گواہوں کی گواہی اس بات پر لی جائے کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی گئی ہے، چناں چہ اس پر عمل ہوا۔ (الاتقان: 77/1)

(جاری ہے)

ملحدین کے سوالات کا رد

یہاں تو مشاہدہ یہ ہے کہ ظالم طاقت واقتدار کے نشے میں چور رہتا ہے اور مظلوم، استبداد کی چکی میں پستا ہی جاتا ہے یہاں اکثر حرام کھانے والا عیاشیوں کا مزہ لوٹتا ہے اور محنت کش پر زندگی کی بنیادی ضروریات بھی تنگ ہو جاتی ہیں۔

کائنات کا خالق خدا کے علاوہ اور کوئی کیوں نہیں ہوسکتا۔۔۔؟ ولیم لین کریگ اور لیویس ولپرٹ کے درمیان خدا کے وجود پر مباحثہ ہوا تھا۔ جب ڈاکٹر کریگ خدا کے حق میں اپنا استدلال دے چکے تو ولپرٹ نے جھٹ کہا: "لیکن اس خدا کی جگہ کوئی کمپیوٹر بھی تو ہوسکتا ہے۔ میں تو اس کمپیوٹر کو مانتا ہوں۔" پھر مزید کہا کہ یہ کمپیوٹر خدا کی تمام صفات رکھتا ہے۔ یہ کمپیوٹر سوچ سکتا ہے، تخلیق کرسکتا ہے، بہت طاقتور ہے، کائنات کے نظام پر قادر ہے اور وقت کی حدود سے باہر ہے۔ اس پر ڈاکٹر کریگ نے جواب دیا: "میں نے بھی تو اسی کمپیوٹر کے لیئے بحث کی ہے۔ آپ کو توحید مبارک ہو!" اور سارا ہال تالیوں اور قہقہوں سے گونج اٹھا۔ آپ سائنس میں کسی چیز کی تعریف اس کی صفات یا خصوصیات کی بنا پر کرتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی مادہ مخصوص شکل، حجم اور سٹرکچر رکھتا ہے تو وہ سالڈ یعنی ٹھوس ہے۔ اب اگر کوئی کہے کہ میں نے ایسا مادہ دیکھا ہے جو مخصوص شکل اور حجم نہیں رکھتا لیکن پھر بھی سالڈ ہے تو یہ بات غلط ہوگی کیونکہ اس مادے میں وہ صفات یا خصوصیات نہیں ہیں جو اس کے سالڈ ہونے کے لیئے درکار ہیں۔ اور اگر میں کہوں کہ میں نے ایک ایسا مادہ دیکھا ہے جو مخصوص شکل اور حجم رکھتا ہے لیکن سالڈ نہیں ہے تب بھی یہ بات غلط ہوگی کیونکہ اس میں سالڈ کی تمام صفات موجود ہیں۔

اب فرض کریں کہ میں کہتا ہوں کہ ایک قوت ہے "اے بی سی" جو دو چیزوں کے ایک دوسرے کو کھینچنے کی وجہ ہے۔ یہ قوت دونوں چیزوں کے وزن کے بڑھنے کے ساتھ بڑھتی ہے اور ان کے درمیان فاصلے کے بڑھنے کے ساتھ گھٹتی ہے۔ اب دیکھیے کہ یہ قوتِ ثقل یعنی گریوٹی کی تعریف بن گئی ہے۔ تو کیا میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ قوت ہی دو چیزوں کے ایک دوسرے کو کھینچنے کی وجہ ہے اور گریوٹی شریوٹی کچھ نہیں ہوتا؟ نہیں۔ بالکل نہیں۔ کیونکہ میں نے درحقیقت ایک نئی قوت دریافت نہیں کی۔ میں نے گریوٹی کو ہی ایک الگ نام دے دیا ہے۔ اور الگ نام دینے کی وجہ سے گریوٹی کا نظریہ غلط نہیں ہوجاتا کیونکہ میری پیش کی گئی قوت میں وہ تمام صفات ہیں جو گریوٹی میں۔ تو جب ایک ملحد کہتا ہے کہ اللہ خدا ہو سکتا ہے تو "فلائینگ سپغیٹی مانسٹر" کیوں نہیں ہوسکتا یا کوئی اور چیز خدا کیوں نہیں ہوسکتی تو وہ درحقیقت صرف اللہ کو الگ نام دے رہا ہوتا ہے۔ اگر اس کا پیش کیا گیا امیدوار وہ تمام صفات رکھتا ہے جو اللہ رکھتا ہے تو وہ امیدوار اللہ ہی ہے، اور ملحد صرف اسے الگ نام دینا چاہ رہا ہے۔ بالکل ویسے ہی جیسے ایک بندہ دو سیب اٹھا کر کہے کہ اگر ان میں سے ایک سیب ہے تو دوسرا کیا ہے؟ وہ دونوں ہی سیب ہیں۔ ویسے ہی جیسے آپ اللہ کو کوئی بھی نام دینا چاہیں، اللہ کی ذات وہی رہے گی اور اسے رد کرنے کے لیے ایسے بھونڈے استدلال سے بہتر کوشش کرنی ہوگی۔ خدا ہم سے کیوں اپنی تعریف کروانا چاہتا ہے؟ خدا کیوں چاہتا ہے کہ ہم اس کی بڑائی کرتے رہیں خدا کیوں چاہتا ہے کہ ہم اس کی عبادت کریں؟ ہم خدا کی عبادت کریں تو خدا کو کیا فائدہ۔ اور اگر کوئی فائدہ ہے تو خدا ہمارا محتاج ہوا۔

خدا کا ہر حکم اس کی ذات پر مرکوز کیوں ہے۔

آپ کو اس طرح کے بہت سارے سوالات ملیں گے جو ملاحدہ کی طرف سے کئے جاتے ہیں۔

اس قسم کے سوالات کے دو پہلو ہیں۔ ایک اس کا اخلاقی پہلو ہے۔ تعریف، عبادت اور بڑائی کو اپنی

ذات میں مرکوز کرنا اخلاقی اعتبار سے اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ دوسرا یہ تجسس ہے کہ خدا ہم سے یہ سب کچھ کیوں کروانا چاہتا ہے۔ کیا اس سے خدا کو کوئی فائدہ ہے؟ اور اگر ہے تو پھر خدا ہمارا محتاج ٹھہرتا ہے اور اگر فائدہ نہیں ہے تو یہ سب کچھ بے کار ہے۔

انسان کے لئے اپنی بڑائی، تعریف، ستائش اور پرستاری چاہنا ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ انسان کے اندر پائی جانے والی خوبیاں مستقل اور لازوال نہیں ہیں۔ انسان اپنی خوبیوں پر نظر رکھنے کی وجہ سے دوسرے کی خوبیوں کو دیکھ نہیں پاتا۔ اپنی بڑائی کے زعم میں دوسروں پر زیادتی کر کے ان کی حق تلفی کرتا ہے۔

انسان کے اندر پائے جانی والی خوبیاں اس کی اپنی نہیں ہوتی۔ اس کی ترویج میں اس کا خاندان اور معاشرے کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ اور چونکہ انسان کو فرد اور معاشرے کی حیثیت سے خدا نے پیدا کیا ہے اس لئے ان خوبیوں کا اصل خالق خدا ہے۔

انسان میں خوبیوں کے ساتھ کمزوریاں بھی ہوتی ہیں اور جب وہ صرف اپنی خوبیوں پر نظر رکھتا ہے تو اس کی کمزوریاں اس کے نظروں میں نہیں رہتی جس کی وجہ سے وہ خود فریبی کا شکار رہتا ہے۔

اب غور کر کے بتائیں کہ خدا جب اپنی تکبیر کرواتا ہے، اپنی تعریف کا حکم دیتا ہے اور اپنی عبادت کرواتا ہے تو اوپر بیان کی ہوئی کونسی وجہ خدا پر بھی صادق آتی ہے؟ ظاہر ہے کہ خدا علیم و خبیر ہے اور تمام مخلوقات کا خالق۔ ہر قابل تعریف چیز کا خالق خدا ہے۔ تو پھر خدا ہی تعریف کا حقیقی مستحق ہوا۔ خدا کے ناموں میں سے ایک المتکبر ہے۔ تکبر مخلوق کے لئے بالکل سزاوار نہیں، لیکن یہ حق ہے کہ خدا سب سے بڑا ہے اور حق ہے کہ ہم خالق کائنات کی بڑائی بیان کریں۔ انسانوں کے اندر خود ستائشی اور تکبر کے بُرے ہونے کے احساس کی بنیاد یہی ہے کہ ہم اسے خدا کا حق سمجھتے ہیں اور اس لئے جب کوئی انسان اس طرح کا طرز عمل اختیار کرتا ہے تو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ خدا بننے کی کوشش کر رہا ہے۔ اب اسی چیز کی بنیاد پر خدا کی تعریف، ستائش اور تکبیر پر اعتراض کرنا خود ایک بہت بڑا تضاد ہے۔ جب خدا خود خدا ہے تو وہی خدا ہوا۔ اب آتے ہیں اس پہلو پر کہ خدا کو اس سے کیا ملتا ہے۔ ایک بہت ہی اصولی بات ذہن میں رکھنا چاہئے، ہم خدا کو اس کی صفات سے پہچانتے ہیں۔ خدا کی معرفت اس کے صفات کی معرفت ہے۔ کسی کی صفت کے بارے میں یہ پوچھنا کہ وہ ایسا کیوں ہے ایک غیر منطقی بات ہے۔ خدا نے جس طرح سے اپنا تعارف کرایا وہ ایک حتمی، بدیہی اور ابدی حقیقت ہے۔ اس کے لئے ''کیوں'' کوئی معنی نہیں رکھتا۔ خدا کا تعارف ہی یہ ہے کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے، اپنی پوری مخلوقات کا مالک ہے، ہر ایک سے بزرگ تر ہے اور اسی لئے تمام تعریفوں کا مستحق ہے۔ جب کوئی عدد ''دو'' کا تعارف اس طرح سے کراتا ہے کہ جب ایک عدد میں ایک اور کا اضافہ ہو جائے تو اسے دو کہتے ہیں تو اس کے لئے ''کیوں'' کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لغوی اعتبار سے دو کا تعارف یہی چیز ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی پوچھے کی ''خدا'' کیوں ہے۔ خدا ہے یا نہیں اس پر تو منطقی بحث ہو سکتی ہے، خدا کیسا ہے اس پر مذہبی بحث ہو سکتی ہے۔ خدا کیوں ہے، یہ کوئی بحث کا نکتہ نہیں ہے۔ اور اگر کوئی مصر ہے کہ اس پر بحث ہونی ہی چاہئے تو جو چاہے کرے۔ لیکن اس کا جواب نہ مذہب کے ذمہ ہے اور نہ منطق کے۔ اسی طرح سے یہ سوال پوچھنا کہ خدا ایسا کیوں ہے اور ویسا کیوں نہیں ہے ایسے ہی سوال کے ضمن میں آتا ہے۔ اس طرح کا سوال پوچھنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی پوچھے، خدا بے رحم کیوں نہیں ہے؟ خدا سچ کو کیوں پسند کرتا ہے جھوٹ کو کیوں پسند نہیں کرتا، خدا ظلم کے خلاف کیوں ہے؟ خدا خالق کیوں ہے؟ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی صفات کے لیے ''کیوں'' پوچھنا ایسا ہی ہے جیسے خدا کے وجود کے لئے ''کیوں'' کا پوچھنا۔ اس سوال کا جواب ہمارے پاس نہیں ہے اور اس سوال کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ اس کا جواب ہو ہی نہیں سکتا۔ بالکل اسی طرح جیسے عدد ''دو'' کے تعارف کے لئے ''کیوں'' نہیں ہو سکتا۔ خدا کی ایک صفت معبود ہے۔ خدا کا حمید ہونا، خدا کا المتکبر ہونا، خدا کا البر ہونا اس کی صفات ہیں۔ اس کے لئے ''کیوں'' نہیں ہوتا۔ صفات اظہار چاہتی ہیں۔ جب خدا نے کچھ بھی نہیں بنایا تھا تو بھی خدا ''خالق'' تھا، لیکن اس نے جب ''پیدا کیا'' تو اس نے اپنی اس صفت کا اظہار کیا۔ جب کوئی خدا کی عبادت نہیں کر رہا تھا تو اپنی صفت کے اعتبار سے وہ ''الہ'' تھا لیکن جب اس کی مخلوق نے اس کی عبادت کی تو صرف اس کی عبادت کا اظہار ہوا۔ اس پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا خدا اپنی صفات کے اظہار کے لئے ہمارا محتاج ہے؟ مسئلہ یہ ہے کہ ہم تو تھے ہی نہیں اور خدا نے ہمیں اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا اور عبادت کرنے کا شعور، صلاحیت اور وقت بھی سب کچھ خدا نے دیا، تو جب ہمارا کچھ ہے ہی نہیں اور سب کچھ خدا کا ہی ہے تو یہاں پر خدا کی محتاجی کا سوال پیدا

ہی کیسے ہوتا ہے؟ خدا نے پوری کائنات بنائی اور کائنات کا ذرہ ذرہ خدا کے حکم سے چل رہا ہے۔تو کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا اپنی حاکمیت کے لئے کائنات کا محتاج ہے؟ حالانکہ یہ پوری کائنات اپنے وجود کے لئے خدا کی محتاج ہے۔اس طرح کا سوال پوچھنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ، چونکہ خدا نے اپنی صفت خلاقیت کے اظہار کے لئے کائنات، فرشتے، انسان، اور دوسری مخلوقات کو پیدا کیا اس لئے خدا اپنی صفت خلاقیت کے اظہار کے لئے اپنی مخلوق کا محتاج ہے۔خدا کے لئے انسانی مثالیں دینا مشکل ہے۔پھر بھی ایک آسان سی مثال دیتا ہوں۔ایک پینٹر اپنی مصوری کے ذریعے اپنی تخلیقی صلاحیت کا اظہار کرتا ہے۔کیا ہم اس بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ پینٹر اپنی صلاحیت کے لئے اس پینٹنگ کا محتاج ہے؟ اس سادہ سی مثال سے کوئی یہ نتیجہ اخذ نہ کرے کہ پینٹنگ کی صلاحیت اور خدا کی صفت ایک ہی قسم کی چیز ہے۔مقصود صرف محتاجی کی وضاحت کرنا ہے۔مصوری کی صلاحیت ایک مصور کی اپنی نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ خدا کی صفت کی طرح لازوال ہوتی ہے۔پھر بھی ہم مصور کو تصویر کا محتاج نہیں جانتے۔اسی طرح اگر خدا اپنی صفت خلاقیت کے اظہار کے مخلوق پیدا کرتا ہے تو وہ اپنی مخلوق کا محتاج تو نہ ہوا بلکہ مخلوق اپنے وجود میں آنے کے لئے اس کی محتاج ہوئی۔ بالکل اسی طرح اگر خدا اپنے بندوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ اپنے شعور کو اختیار کرتے ہوئے اس کی عبادت کریں اور اگر نہ کرنا چاہیں تو نہ بھی کریں تو خدا کیسے اپنی مخلوق کا محتاج ہوا؟ اللہ نے انسان کو سوچنے کی صلاحیت دی اور اس بات کا اختیار دیا کہ وہ چاہے تو خدا کی عبادت کرے اور چاہے تو نہ کرے۔اب اس اختیار کی بنا پر انسان کیسی کیسی اڑانیں بھرتا ہے اور وہ بھی اسی خدا کی عطا کی ہوئی صلاحیت کو استعمال کر کے؟

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ

کیا انسان دیکھتا نہیں ہے کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا اور پھر وہ صریح جھگڑالو بن کر کھڑا ہو گیا؟

دنیا میں ظلم ہے اس لیے خدا نہیں ہے۔!!!! ہمارے خوش یا غمگین ہونے سے یہ حق نہیں بدلتا کہ زمین گول ہے۔کسی پر ظلم ہو یا کسی کو اعزاز ملے، اس سے یہ حق نہیں بدلتا کہ پانی حیات کے لیے ضروری ہے۔

اندھا اعتقاد ایک ثقیل اور ناپسندیدہ سی اصطلاح ہے لیکن اس کا کیا کہیں کہ ارتقا اور آدم کی عدم مصالحت کے باوجود خدا واحد پر ہمارے اس یقین کاملہ پر کوئی چوٹ نہیں پڑتی - فتنہ خلق القران ہو کہ صفت کے قدیم ہونے کا مسئلہ، محکمات اور متشابہات کی بحث ہو، حیات بعد الموت ہو

ہمارے جذبات، احساسات یا حالات سے دنیا کا کوئی بھی حق تبدیل نہیں ہوتا۔مگر افسوس کہ جب بات سب سے اونچے حق یعنی مدبر کائنات کے وجود کی آتی ہے تو لوگ یہ کہہ کر انکار کر دیتے ہیں کہ میرا سارا پیسہ لٹ گیا اس لیے خدا نہیں ہے۔میری محبت مجھے چھوڑ گئی اس لیے خدا نہیں ہے۔میری اولاد مجھ سے بچھڑ گئی اس لیے خدا نہیں ہے۔سری لنکا میں سیلاب یا نیپال میں زلزلہ آ گیا اس لیے خدا نہیں ہے۔حکومتی نااہلی سے تھر میں بچے مر گئے اس لیے خدا نہیں ہے۔۔ پیارے سجنو۔۔ اللہ کا وجود سب سے بڑا حق ہے اور اس کا ہونا ہمارے جذبات و حالات سے مشروط ہرگز نہیں ہے۔آپ بھی اپنی عقل کو آواز دیں اور جس طرح دوسرے امور میں جذباتی ہوئے بناء کسی کے ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں، ویسے ہی یہاں بھی مہربانی فرمائیں اور خالق کے ہونے کو عارضی حالات وواقعات سے مشروط نہ کریں۔اس دنیا میں مکمل انصاف کا تصور بھی ناممکن ہے۔یہاں تو مشاہدہ یہ ہے کہ ظالم طاقت واقتدار کے نشے میں چور رہتا ہے اور مظلوم، استبداد کی چکی میں پستا ہی جاتا ہے۔ یہاں اکثر حرام کھانے والا عیاشیوں کا مزہ لوٹتا ہے اور محنت کش پر زندگی کی بنیادی ضروریات بھی تنگ ہو جاتی ہیں۔کتنے ہی مجرم، فسادی اور قاتل کسی عدالت کی پکڑ میں نہیں آتے.....ایک مثال لیں، اگر ایک بوڑھا شخص کسی نوجوان کو قتل کر دیتا ہے اور مان لیں کہ وہ پکڑا بھی جاتا ہے۔عدالت اسے اسکی جرم کی بنیاد پر سزائے موت بھی نافذ کر دیتی ہے۔اب سوال یہ ہے کہ کیا واقعی یہ انصاف ہے؟ کہنے کو تو قاتل کو قتل کے بدلے میں قتل کر دیا گیا؟ مگر کیا یہی انصاف کی مکمل صورت ہے؟ قاتل تو ایک بوڑھا شخص تھا، جو اپنی زندگی گزار چکا تھا۔جبکہ مقتول ایک نوجوان تھا، اسکی پوری زندگی اسکے سامنے تھی۔ممکن ہے کہ اسکی اچانک موت سے اسکی بیوی بے گھر ہو جائے، اسکے یتیم بچے باپ کا سایہ نہ ہونے سے آوارگی اختیار کر لیں۔کیا یہی حقیقی انصاف ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔یہی وہ صورتحال ہے جو انسان میں یہ فطری و عقلی تقاضا پیدا کرتی ہے کہ کوئی ایسی دنیا و عدالت برپا ہو جہاں انصاف اپنے اکمل ترین درجے میں حاصل ہو۔جہاں بد کو اسکی بدی کا اور نیک کو اسکی نیکی کا پورا پورا بدلہ مل سکے۔دین اسی عدالت کی خبر روز

حساب کے نام سے دیتا ہے اور اسی جہان کی بشارت جنت و دوزخ سے دیتا ہے۔۔دین نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس دنیا میں سب کو انصاف حاصل ہوگا۔ بلکے وہ تو بتاتا ہے کہ اس دنیا کو امتحان کے اصول پر بنایا گیا ہے۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں کبھی تو قاتل صاف بچ نکلتے ہیں تو کبھی معصوم پھانسی چڑھ جاتے ہیں اور کبھی ظالم مظلوم کا استحصال کرتے ہیں۔ دراصل یہی وہ بے انصافی ہے جو انسان میں اس فطری تقاضے کو پیدا کرتی ہے کہ ایک ایسی دنیا کا وجود ضرور ہو جہاں ہر اچھے کو اسکی اچھائی اور ہر برے کو اسکی برائی کا پورا پورا بدلہ ملے۔ دین اسی نئی دنیا کی بشارت دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ اس آنے والی دنیا میں انصاف کے تقاضے اپنی کامل ترین صورت میں نافذ ہونگے۔۔۔(جس پر اعتراض ہے اسکے موقف کو معترض پڑھنا اور سمجھنا ہی ناچاہے، اسکا اعتراض کیسے ختم ہوسکتا ہے) دین کے اس واضح اور کھلے مقدمے کے بعد بھی اگر کوئی اللہ کے وجود کا اس لیے انکار کرتا ہے کہ موجودہ دنیا میں فلاں جگہ بھوک، جنگ یا ناانصافی ہے تو یہ اسکی لاعلمی اور کج فہمی کا ثبوت ہے، جس پر اس سے ہمدردی سے زیادہ اور کچھ نہیں کیا جاسکتا۔۔

خدا کو کس نے پیدا کیا۔۔؟

عموما اس طور پر اٹھایا جاتا ہے کہ" اگر ہر چیز کو خدا نے وجود بخشا ہے تو خدا کو کس نے پیدا کیا؟ یہ سوال ایک کیٹیگری مسٹیک (category mistake) ہے۔ تفصیل اسکی یہ کہ ہر وجود کو "ڈیفائن کرنے والی صفات" اس سے متعلق بعض ایسے سوالات کو غیر متعلق ((irrelevant کردیتی ہیں جو کسی دوسری صفات کے حامل وجود کے لئے متعلق ہوتے ہیں۔ مثلا اگر آپ کمرے میں قلم رکھ کر باہر جائیں اور واپس آنے پر اس قلم کی جگہ تبدیل پائیں تو آپ کے ذہن میں ''کیسے'' کا سوال آئے گا (یعنی اسکی جگہ کیسے تبدیل ہوئی)۔ لیکن اگر قلم کی جگہ آپ کا دوست کمرے میں بیٹھا ہو اور واپس آنے پر اسکی جگہ تبدیل ہوجائے تو آپ کا ذہن اس کیسے کے سوال کی طرف متوجہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ انسان کی ''متحرک بالارادہ'' ہونے کی صفت نے اس سے متعلق ''کیسے'' کے سوال کو غیر متعلق کردیا؛ اسکے بارے میں ''کیسے یہاں سے وہاں چلا گیا'' کا سوال کیٹیگری مسٹیک ہے۔

انسان کے بارے میں یہ سوال کہ'' اسے کس نے پیدا کیا'' ایک متعلق سوال ہے کہ خود ہمارا مشاہدہ و علمی اثار یہ بتارہے ہیں کہ انسان ہمیشہ سے موجود نہیں؛ تو اس صورت میں یہ سوال منطقی طور پر درست ہے۔ مگر خدا کو ڈیفائن کرنے والی بنیادی صفت "الصمد" (قائم بالذات ہونا) ہے۔ اس صفت کے تناظر میں ''خدا کو کس نے پیدا کیا'' بالکل اسی طرح غیر منطقی ہے جیسے درج بالا مثال میں انسان کی بابت کیسے کا سوال غلط تھا۔ ظاہر ہے، اگر خدا کو کسی نے پیدا کیا ہے تو وہ الصمد نھیں لہذا خدا نہیں۔ اگر کہا جائے کہ موجودہ خدا کو اس سے قبل خدا نے پیدا کیا تو اس صورت میں جسے موجودہ خدا کہا جارہا ہے وہ خدا نہیں کہ وہ الصمد نہیں (یعنی اپنے ہونے کے لئے وہ اپنے سے قبل کسی کا محتاج ہے)۔ الغرض خدا کے بارے میں یہ سوال کہ" اسے کس نے پیدا کیا" بذات خود ایک غیر منطقی سوال ہے کہ یہ خدا کی تعریف ہی کو نہ سمجھنے کی بنا پر پیدا ہوتا ہے۔

تمام مسلمانوں کی طرح میرا اپنے رب کی ربوبیت اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر یقین شعوری ہے، میں نے اپنے رب کو اس کی نشانیوں سے حق الیقین کے درجے میں پہچانا۔ لیکن اس ایمان کو کوئی موجودہ سائنسی آلہ نہیں ناپ سکتا، ان نشانیوں کی کوئی مقداری پیمایش میسر نہیں، وجود خداوندی کو کسی تھیورم سے پروف نہیں کیا جاسکتا، غیب پر ایمان کی حقانیت کا ثبوت کسی لیب میں ری پروڈیوس نہیں ہو سکتا لیکن اس سے میرے اور کروڑوں مسلمانوں کے ایمان وایقان میں بال برابر فرق نہیں آتا۔

اندھا اعتقاد ایک ثقیل اور ناپسندیدہ سی اصطلاح ہے لیکن اس کا کیا کہیں کہ ارتقا اور آدم کی عدم مصالحت کے باوجود خدا واحد پر ہمارے اس یقین کامل پر کوئی چوٹ نہیں پڑتی - فتنہ خلق القران ہو کہ صفت کے قدیم ہونے کا مسئلہ، محکمات اور متشابہات کی بحث ہو، حیات بعد الموت ہو کہ قطار اندر قطار ملائکہ کی آمد، سبع سماوات کا ذکر ہو یا اسرٰی کا سفر، یہ یقین اسی طرح واثق ہے جیسے آنکھ نے دیکھا ہو اور کانوں نے سنا ہو۔ اس ایمان کو کسی منطقی استدلال کی ضرورت نہیں، کسی سائنسی ثبوت کی حاجت نہیں، اس کو کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا ڈر نہیں، مذہب کو افیون قرار دینے والے اور خدا کی موت کا اعلان کرنے والے انٹیلیکچوالز کا خوف نہیں، یہ سمعنا واطعانا پر قائم ہے، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کے صادق و امین ہونے پر گواہ ہے، یہ ایمان تو جیجات نہیں مانگتا، یہ یقین جانتا ہے کہ اگر الوہیت لیبارٹری میں ثابت ہوسکتی تو غیب کا پردہ نا رہتا، یہ ایمان حق کا گواہ ہے، یہ اندھا اعتقاد تمام بیناؤں کی بنا ہے اشھدان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھدان محمدا عبدہ ورسولہ۔

یارب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے!

علامہ محمد اقبال

یا رب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے

پھر وادی فاراں کے ہر ذرے کو چمکا دے
پھر شوق تماشا دے، پھر ذوق تقاضا دے

محروم تماشہ کو پھر دیدہ بینا دے
دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعت صحرا دے

پیدا دل ویراں میں پھر شورش محشر کر
اس محمل خالی کو پھر شاہد لیلا دے

اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشاں کو
وہ داغ محبت دے جو چاند کو شرما دے

رفعت میں مقاصد کو ہمدوش ثریا کر
خودداری ساحل دے، آزادی دریا دے

بے لوث محبت ہو، بے باک صداقت ہو
سینوں میں اجالا کر، دل صورت مینا دے

احساس عنایت کر آثار مصیبت کا
امروز کی شورش میں اندیشہ فردا دے

میں بلبل نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں، محتاج کو، داتا دے

جو سیّد ہو اُسے آگ نہیں جلاتی۔۔۔؟

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ ایک مرتبہ تقسیمِ ہند سے پہلے کی ریاست پٹیالہ میں جلسۂ عام سے خطاب کر رہے تھے، دورانِ خطاب مجمع سے ایک سردار (بلیر سنگھ نامی سپرنٹنڈنٹ جو کہ اس وقت وردی میں بھی تھا) اسٹیج پر چڑھ کر شاہ صاحب سے پوچھنے لگا، شاہ صاحب میں نے سُنا ہے کہ آپ سیّد ہیں۔

شاہ جی نے جواب دیا: بھائی میں تو سیّدوں کی جوتیاں سیدھی کرنے والا ہوں۔ سردار جی نے پھر پوچھا کہ شاہ جی میں نے سُنا ہے کہ جو سیّد ہو اُسے آگ نہیں جلاتی؟

مجمع میں شور برپا ہو گیا۔

چنانچہ شاہ جی نے سردار بلیر سنگھ کے آگے اپنے دونوں ہاتھ کر دیئے۔

اُس نے اپنے ایک محافظ سے کہا کہ آگ لیکر آؤ۔ وہ آگ لیکر آیا تو سردار نے آگ سے دہکتے انگارے شاہ جی کے ہاتھوں پر رکھ دیئے۔ شاہ صاحب انگارے دونوں ہاتھوں میں لیے کھڑے رہے۔

سارا مجمع حیران رہ گیا۔

تقریباً پانچ منٹ بعد سردار نے کہا کہ اب انگارے پھینک دیں اور مجھے اپنے ہاتھ دکھائیں۔

شاہ جی نے دونوں ہاتھ سردار بلیر سنگھ کے آگے کر دیئے

وہ فوراً ہاتھوں کو چوم کر شاہ صاحب کے گلے لگ گیا اور کہا کہ

جی! میرے سینے میں بھی آگ لگی ہوئی ہے، خدا کے لیے اُسے بھی ٹھنڈا کر دیں

اور مجھے کلمہ پڑھا دیں"

شاہ جی نے سردار کو کلمہ پڑھایا اور وہ مسلمان ہو گیا۔